شرّار جادُوگر

شدّاد جادُوگر

داستان امیر حمزہ

حصّہ ششم

مقبول جہانگیر

شہزادی اطلس پوش

اِس داستان کے پانچویں حصّے میں (امیر حمزہ کوہ قاف میں) ہم بیان کر چکے ہیں کہ کوہستان کے بادشاہ بہمَن، ژوپین، بختک اور نوشیر واں نے عہد کیا تھا کہ آیندہ بغاوت نہ کریں گے اور امیر حمزہ کی اِطاعت اُنہیں دِل و جان سے قبُول ہے۔ چنانچہ یہ سب لوگ بہُت دِن تک بہمَن کے مہمان رہے اور کئی جشن منائے گئے۔ ایک روز عادی پہلوان نے امیر حمزہ سے کہا۔

"بھائی حمزہ، مُلک کوہستان میں چارہ ختم ہو گیا ہے۔ ہمارے اُونٹ اور گھوڑے بھُوکے مر رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے رُخصت ہوں۔"

یہ سُن کر حمزہ فِکر مند ہُوئے، سوچنے لگے کہ کیا کِیا جائے۔ اتنے میں ژوپین

نے ہاتھ باندھ کر کہا ”جنابِ والا، میرے علاقے میں تشریف لے چلیے۔ وہاں دانہ گھاس بہُت ہے۔“

تب امیر حمزہ نے اپنے لشکر کو اِجازت دی کہ کوہستان سے کُوچ کرے اور ژوپین کے علاقے کی جانب روانہ ہو۔ نوشیر واں نے اِس موقع پر امیر حمزہ کو علیحدگی میں لے جا کر کہا:

”اے حمزہ، تو دیکھ رہا ہے کہ میں اب ضعیف اور کم زور ہو گیا ہُوں۔ حکومت سے جی اُچاٹ ہو رہا ہے۔ دِل چاہتا ہے کہ اپنی جگہ شہزادہ شہریار کو تخت پر بٹھاؤں اور خُود زندگی کا باقی حصّہ خُدا کی یاد میں بسر کروں۔“

بادشاہ کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ سوچ میں پڑ گئے پھِر بولے۔ ”جہاں پناہ، میں ہر طرح آپ کا فرماں بردار ہُوں۔ تخت و تاج کی مُجھے خواہش نہیں۔ یہ آپ کی چیز ہے جیسے جی چاہے بخش دیجئے۔“

یہ سُن کر نوشیر واں نے امیر حمزہ کو گلے سے لگایا اور کہا۔ ”مُجھے تُم سے اِسی

سعادت مندی کی اُمّید تھی۔ بہر حال اب میں بزُرجمہر کو ساتھ لے کے مدائن جاتا ہُوں اور شہزاد شہریار کی تخت نشینی کا انتظام کرتا ہُوں۔"

نوشیر واں تو بزُرجمہر اور بختک کو ساتھ لے کر مدائن چلا گیا اور امیر حمزہ کا لشکر ژوپین کے علاقے میں آ گیا۔ بہمَن بھی امیر حمزہ کے ساتھ آیا۔ چند روز بعد مکّے سے ایک قاصد خواجہ عبدالمطّلب کا خط لے کر آیا۔ اُس میں لکھا تھا:

"جان سے زیادہ عزیز بیٹے حمزہ۔ بہُت دِن سے تُمہاری کوئی خبر نہیں سُنی۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ تُم ہمیں بالکل بھُول گئے ہو۔ اگر ممکن ہو تو چند روز کے لیے یہاں آؤ اور اپنے بوڑھے باپ کے بے قرار دِل کو آرام پہنچاؤ۔"

امیر حمزہ یہ خط پڑھ کر بے چین ہو گئے۔ فوراً اپنے یاروں کو جمع کیا اور کہا: "میں والد سے مِلنے مکّے جاتا ہُوں۔ خُدا نے چاہا تو جلد لوٹ آؤں گا۔ میری غیر حاضری میں بہمَن میری کُرسی پر بیٹھے گا اور سب پر فرض ہے کہ بہمَن کی اِطاعت کریں۔"

پھِر اُس نے بہمَن کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں تُجھے اپنا نائب بناتا ہُوں اور سمجھتا ہُوں کہ میری غیر موجودگی میں تُو میرے دوستوں اور میرے فرزندوں اور لشکر کا خیال رکھے گا۔"

یہ سُن کر بہمَن حمزہ کے قدموں پہ گِرا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا: "اے امیر میری کیا مجال کہ آپ کی کُرسی پر بیٹھوں۔ میں آپ کا غُلام ہُوں۔ میری جگہ لِندھور کو اپنا نائب مُقرّر فرمایئے کہ وُہ ہر طرح اِس خدمت کے لائق ہے۔"

حمزہ نے بہمَن کی یہ بات سُنی تو زور دے کر کہا۔ "نہیں ہماری کُرسی پر تُم ہی کو بیٹھنا ہو گا۔ لِندھور کو ہم نے دُوسرے کاموں کے لیے مُقرّر کیا ہے۔"

بہمَن نے سر جھکایا، حمزہ کے ہاتھوں کو بوسہ دِیا اور چُپ چاپ کھڑا رہا۔ قِصّہ مُختصر بہمَن کو اپنی جگہ سونپ کر امیر حمزہ مکّے جانے کے لیے تیّار ہُوئے۔ عُمرو عیّار نے ساتھ جانا چاہا مگر حمزہ نے منع کیا اور کہا کہ میں سُلطان بخت مغربی کو ساتھ لے جاتا ہُوں۔ باقی سب لوگ یہیں رہیں۔ اس کے بعد اُنھوں نے ملکہ مِہر نگاہ کو دِلاسا دِیا کہ گھبرانا مت، جلد واپس آؤں گا۔

مکّے میں خواجہ عبد المطّلب بے قراری سے امیر حمزہ کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک دِن صُبح صُبح غُلاموں نے آن کر کہا کہ حمزہ آ رہے ہیں۔ خواجہ فوراً گھر سے نکلے اور بیٹے کے اِستقبال کو گئے۔ حمزہ نے باپ کے قدموں کو بوسہ دِیا، پھِر گلے لگ کر دیر تک روتے رہے۔ اِس کے بعد شہر میں آئے اور باری باری ہر شخص سے مِلے۔

ایک روزہ کا ذِکر ہے امیر حمزہ نے اپنے جان نثار دوست سُلطان بخت مغربی کو ساتھ لیا۔ گھوڑے پر سوار ہُوئے اور جنگل کی راہ لی۔ بُہت دِنوں سے اُن کا جی شکار کھیلنے کو چاہتا تھا لیکن موقع نہ ملا تھا۔ اِتّفاق کی بات کہ اُس روز کوشِش کے باوجود شِکار نہ مِلا۔ سُلطان بخت مغربی نے امیر سے عرض کیا کہ واپس شہر چلیں اور شکار کا خیال چھوڑ دیں لیکن حمزہ نہ مانے اور ناراض ہو کر کہنے لگے:

”ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ تُم تھک گئے ہو۔ بہتر ہے یہیں آرام کرو یا واپس چلے جاؤ۔ جب تک میں عمدہ سا شکار حاصل نہ کروں گا، واپس نہ جاؤں گا۔“

ابھی وُہ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ اچانک ایک سنہری ہرن دِکھائی دِیا۔ امیر حمزہ

اُسے دیکھتے ہی بے چین ہو گئے۔ بخت مغربی سے کہا "میں اِس ہرن کے پیچھے جاتا ہُوں۔ اِسے زندہ پکڑنے کی کوشش کروں گا۔ تُم یہیں رُک کر میرا انتظار کرو۔"

یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہرن کے تعاقب میں روانہ ہُوئے۔ سُلطان بخت مغربی حیران پریشان کھڑا اُن کو ہرن کے پیچھے جاتے دیکھتا رہا۔ اُس کے دِل میں طرح طرح کے وسوسے اور اندیشہ پیدا ہو رہے تھے۔

سُورج غروب ہو گیا اور آسمان پر چودھویں رات کا چاند نمودار ہوا۔ اُس کی تیز چمکیلی چاندنی میں جنگل انتہائی حسین دِکھائی دے رہا تھا۔ ہرن چوکڑیاں بھرتا ہوا اِدھر سے اُدھر دوڑ رہا تھا۔ ایک دفعہ امیر حمزہ اُس کے اِتنے نزدیک پہنچ گئے کہ وُہ آسانی سے تیر کا شکار بن سکتا تھا۔ مگر وُہ تو اِس خوب صورت ہرن کو زندہ پکڑنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ہرن کے لمبے لمبے سینگ بھی سونے کے ہیں اور اُس کے گلے میں موتیوں کا ایک قیمتی ہار بھی لپٹا ہوا ہے۔ وُہ سمجھ گئے کہ یہ ہرن کسی نے پال رکھا ہے اور ممکن ہے اِس کا مالک اِسے

ڈھونڈتا پھِر رہا ہو۔

کہتے ہیں کہ تین دِن اور تین راتیں امیر حمزہ اُس ہرن کے پیچھے لگے رہے لیکن وُہ کسی طرح قابو میں نہ آیا۔ آخر ایک لق و دق صحرا میں پہنچ کر وُہ نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ امیر نے اُسے بہُت تلاش کیا مگر کہیں سُراغ نہ پایا۔ تنگ آکر اُنہوں نے واپس جانے کا فیصد کیا کہ راستے بھُول گئے اور صحرا میں بھٹکنے لگے۔ بھُوک اور پیاس کے ہاتھوں جان نکلنے لگی۔

یکایک کُچھ فاصلے پر ایک نخلستان دِکھائی دِیا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سوداگروں کا ایک قافلہ اُترا ہوا ہے۔ سوداگروں کے سردار نے امیر حمزہ کا استقبال کیا۔ پانی پلایا۔ گھوڑے کے لیے دانہ مہیّا کیا۔ پھِر حال پُوچھا کہ اے نوجوان تُو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ امیر حمزہ نے مصلحت اِسی میں دیکھی کہ اِن سوداگروں کو اپنا صحیح نام پتا نہ بتایا جائے۔ وُہ کہنے لگے:

"بھائی، میں بھی تُمہاری طرح سوداگر ہُوں۔ قزّاقوں نے مُجھے لُوٹ لیا۔ میرے ساتھی اور نوکر چاکر سب مارے گئے۔ میں نے بڑی مُشکل سے اپنی

جان بچائی اور اب کئی دِن تک صحرا میں بھُوکا پیاسا بھٹکنے کے بعد اِدھر آ نِکلا ہُوں۔"

یہ داستان سُن کر وُہ شخص بہُت متاثر ہوا۔ کہنے لگا۔ "کوئی اندیشہ نہ کرو۔ ہم ہر طرح تُمہاری مدد کرنے کو تیّار ہیں۔ جب تک جی چاہے، ہمارے پاس رہو۔ دو وقت کھانا اور ضُرورت کی ہر چیز تُمہیں مِلتی رہے گی۔ یہاں سے چند کوس پر ایک عظیم الشّان شہر آباد ہے۔ ہمارا قافلہ وہیں جارہاہے۔ اُمّید ہے کہ سب تجارتی سامان اچھّے داموں بِک جائے گا۔"

غض امیر حمزہ کئی روز اُس قافلے میں رہے اور اِن لوگوں نے اچھی طرح اُن کی خاطر تواضع کی۔ ایک دِن امیر حمزہ پِھرتے پھراتے صحرا سے کُچھ دُور ایک آبادی میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بُڈّھا آگ پر ہرن کا گوشت بھُون رہا ہے اور گوشت کی خُوش بُو چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ بُڈّھے نے اُنہیں دیکھ کر کہا:

"آؤ میاں مُسافر، کھانا کھالو۔"

امیر حمزہ فوراً گھوڑے سے اُترے اور ہاتھ مُنہ دھو کر دستر خوان پر آن بیٹھے۔ بُڈّھے کا خیال تھا کہ یہ جوان دو تین کباب کھا کر اُٹھ کھڑا ہو گا مگر حمزہ کو اُس وقت زور کی بھُوک لگی تھی۔ دیکھتے دیکھتے سارا گوشت چَٹ کر گئے اور بُڈّھا بھُوکے پیٹ اُٹھ گیا۔ امیر سمجھے کہ وُہ اور گوشت لینے جا رہا ہے۔ کہنے لگے:

"بڑے میاں، ذرا جلدی آنا اور زیادہ گوشت لانا۔ میری بھُوک چمک اُٹھی ہے۔" یہ سُن کر بُڈّھا طیش میں آیا اور چیخ کر بولا:

"کیا میں نے گوشت کی دُکان کھول رکھی ہے جو لا لا کر تُجھے کِھلاؤں گا؟ اگر مُجھے معلُوم ہوتا کہ تُو سب کُچھ اکیلا ہی ہڑپ کر جائے گا تو کبھی کھانے کی دعوت نہ دیتا۔"

اب تو حمزہ شرمندہ ہُوئے۔ بُڈّھے سے معافی مانگی اور کہا "بڑے میاں، مُجھے معاف کر دیجئے۔ بھُوک کی وجہ سے کُچھ خیال نہ رہا۔ یہاں سے کُچھ دُور سوداگروں کا ایک قافلہ ٹھہرا ہوا ہے۔ میں اُن لوگوں کا مہمان ہُوں۔ آیئے، میرے ساتھ چلیے میرے حصّے کا کھانا آپ کھا لیجئے گا۔"

تب اُس بُڈّھے کا غصّہ کُچھ دھیما ہُوا اور وُہ امیر حمزہ کے ساتھ قافلے میں آیا۔ اُنھوں نے اپنا کھانا اُس کے حوالے کیا۔ بُڈّھے نے خُوب پیٹ بھر کر کھایا اور امیر حمزہ کو دعائیں دیتا ہُوا چلا گیا۔ رات ہُوئی تو سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں جا سوئے۔ مگر چند سوداگر جاگتے رہے اور جب اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کا مہمان بھی بے خبر سو گیا ہے تو سردارِ قافلہ کے پاس گئے اور کہنے لگے:

"ہمیں شک ہے کہ یہ شخص ڈاکوؤں کا آدمی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم لُٹ جائیں۔ بہتر ہے کہ یہاں سے چُپ چاپ چل دیں۔"

یہ سُن کر سردار کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ اُسی وقت اُونٹوں پر سامانِ تجارت لادا، ڈیرے خیمے باندھے اور روانہ ہو گئے۔ امیر حمزہ اپنے بستر پر پڑے سوتے رہے۔ صُبح اُن کی آنکھ کھُلی تو معلُوم ہوا کہ ہر طرف سنّاٹا ہے اور اُونٹوں کی لِید کے سوا کُچھ باقی نہیں رہا۔ وُہ یہ دیکھ کر سخت پریشان ہُوئے لیکن ہمّت نہ ہاری۔ گھوڑے پر سوار ہو کر پھِر اُسی بُڈّھے کے پاس پہنچے اور اُسے سارا قصّہ سُنایا۔ اس نے اطمینان دِلایا اور کہا۔ "آیئے میں آپ کو راستہ

بناؤں۔"

بُڈّھا امیر کے ساتھ صحرا میں کئی روز تک سفر کرتا رہا۔ پھِر ایک مقام پر رُکا اور کہنے لگا۔ "یہاں سے آپ ناک کی سیدھ میں چلے جائیں۔ یہ راہ شہرِ عظیم الشّان کی جانب جا نکلے گی۔"

یہ کہہ کر بُڈّھا واپس اپنی بستی کی جانب روانہ ہُوا۔ اور امیر آگے بڑھے۔ کئی روز کے سفر کے بعد ایک جنگل میں داخل ہُوئے۔ کیا دیکھا کہ تاجروں کا وہی قافلہ یہاں موجود ہے۔ لیکن اِس حال میں کہ سارا سامان غائب ہے اور ہر شخص درختوں کے ساتھ رسّیوں سے بندھا ہوا ہے۔ سوداگروں کے سردار نے امیر حمزہ کو پہچان کر شرم سے مُنہ چھپانے کی کوشش کی۔ تب امیر نے کہا:

"کیوں صاحب، تُم نے اچھّی میزبانی کی۔ ہمیں رات کو سوتا چھوڑ کر چلے آئے؟"

یہ سُن کہ وُہ رو پڑا اور کہنے لگا: ”بھائی، مُجھ سے بڑی خطا ہُوئی۔ خُدا کا واسطہ دیتا ہُوں، میری یہ خطا معاف کر دو۔“

امیر حمزہ نے اُن سب کو آزاد کیا۔ پھِر حال پُوچھا۔ سوداگروں نے رو رو کر کہا: ”ہم اِس جنگل میں سفر کر رہے تھے کہ ایک رات قزّاقوں کا ٹولہ ہم پہ آن گِرا۔ جی بھر کر لُوٹ مار کی۔ ہمارے کئی غُلاموں کو قتل کر دِیا۔ پھِر ہمیں درختوں سے باندھ کر چلے گئے۔ قزّاقوں کے سردار کا نام شب رنگ ہے۔ کیوں کہ اُس کے چہرے کا رنگ رات کی سیاہی کی مانند کالا ہے۔“

”اب تُم بے فکر ہو جاؤ۔ خُدا نے چاہا تو میں اِس شب رنگ قزّاق سے دو دو ہاتھ کروں گا اور تمہارا مال واپس دلاؤں گا۔۔۔“

”ارے بھائی، تُم اُس پر قابو نہیں پا سکتے۔“ سوداگروں نے کہا۔ ”وُہ بُہت طاقت ور اور وحشی ہے۔ اس کے ساتھی بھی ایسے ہی ہیں۔ اِدھر ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ بھلا ہم اُن کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے۔ اب ہم اپنی جانیں بچا کر یہاں سے بھاگتے ہیں اور تُم بھی ہمارے ساتھ چلو۔“

یہ سُن کر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگے۔ "خوف مت کھاؤ۔ ایک شب رنگ کیا، ہزار آ جائیں، تب بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ جنگل میں گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز گونجی۔ سوداگروں کے چہرے فق ہُوئے۔ کہنے لگے: "ڈاکو آن پہنچے۔ اب تو بھاگنے کی بھی گنجائش نہیں۔"

یہ کہہ کر وُہ اِدھر اُدھر جھاڑیوں میں چھُپنے لگے لیکن امیر حمزہ اپنی جگہ اطمینان سے کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر بعد بیس پچّیس آدمی سیاہ رنگ کے گھوڑوں پر نمودار ہُوئے۔ اُن کے آگے آگے جھنڈا اُٹھائے۔ ایک حبشی غُلام دوڑ رہا تھا۔ اور اُس جھنڈے پر انسانی کھوپڑی کی تصویر بنی تھی۔

امیر حمزہ کے قریب آن کر یہ قزّاق رُکے۔ اُن کا سردار گھوڑے سے اُترا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا:

"ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ سوداگر نِکل بھاگے۔ مگر بچ کر جائیں گے کہاں۔۔۔

اسے بدنصیب جوان، تُو کون ہے اور یہاں کیوں کر آیا؟ جلد بتا، ورنہ ابھی تیری گردن اُڑاتا ہُوں۔"

"تجھے میرے نام سے کیا غرض؟" امیر حمزہ نے ہنس کر کہا۔ "اگر کُچھ زور رکھتا ہے تو آزما لے، اور یہ بھی سُن لے کہ اِن بے قصُور سوداگروں کو میں نے رہا کیا ہے؟"

یہ سُن کر شب رنگ قزّاق کے جلال کی انتہا نہ رہی۔ ایک ہولناک نعرہ مار کر امیر حمزہ کی جانب لپکا اور تلوار سے حملہ کیا مگر حمزہ کے آگے اِس قزّاق کی کیا حقیقت تھی۔ اُنہوں نے کھڑے کھڑے وار بچا کر اِس زور کا گھونسا اُس کی ناک پر مارا کہ نکسیر چھُوٹ گئی اور اُس کے کپڑے خُون میں تَر بہ تَر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر دوسرے قزّاق آگے بڑھے اور اُنہوں نے امیر حمزہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی مگر شب رنگ چلّا کر کہا:

"تُم سب پرے ہٹ جاؤ۔ میں اِس نوجوان سے اکیلا ہی لڑوں گا۔"

سب قزّاق ایک طرف جمع ہو کر تماشا دیکھنے لگے۔ ناک سے خُون پونچھ کر شب رنگ نے خُونی نظروں سے حمزہ کو گھُورا اور کہا:

"اے نوجوان تیری جرأت اور ہمّت پر آفرین ہے۔ مَیں دیکھتا ہُوں کہ تُو بھی پہلوان ہے۔ کیا ہی اچھّا ہو کہ تُو میرے گروہ میں شامل ہو جائے۔ میں تُجھے اپنا نائب بنانے کا وعدہ کرتا ہُوں۔"

امیر نے قہقہہ لگایا اور کہا: "اے شب رنگ، میں تُجھ پر اور تیرے پیشے پر لعنت بھیجتا ہُوں۔ یہ کام بہادروں کو زیب نہیں دیتا۔ جو تُو کرتا ہے، بے گناہوں کو قتل کرنا اور مُسافروں کو لُوٹ لینا بہادری نہیں۔۔۔ ہاں، ایک بات کا وعدہ کرتا ہُوں کہ اگر تُو اور تیرے ساتھی قزّاقی سے توبہ کر لیں تو میں تیری جان بخشی کر دُوں گا۔ ورنہ یاد رکھ کُتّے کی موت مر جائے گا۔"

اب تو شب رنگ کے غصّے کی حد نہ رہی۔ تلوار چمکاتا ہُوا حمزہ کی جانب بڑھا اور زور دار حملہ کیا۔ امیر نے اُس کی کلائی مروڑ کر تلوار چھین لی اور گھونسے مار مار کر حُلیہ بِگاڑ دِیا۔ شب رنگ بد حواس ہو گیا۔ آخر امیر حمزہ نے اُسے پکڑ کر سر

سے اُوپر اُٹھایا اور چاہا کہ زمین پر دے ماریں کہ شب رنگ نے گِڑگِڑا کر کہا:

"میں تمہاری اِطاعت قبُول کرتا ہُوں۔ مجُھے چھوڑ دو۔"

تب امیر نے شب رنگ کو آہستہ سے زمین پر رکھ دِیا اور کہا۔ "میں نے تجھے چھوڑا۔ لیکن سوداگروں کا مال اُن کے حوالے کر دے۔"

یہ کہہ کر سوداگروں کو آواز دی۔ وُہ جھاڑیوں میں سے نِکل کر سامنے آئے۔ شب رنگ نے اُن سے معافی مانگی، نہایت عزّت کے ساتھ اپنے قلعے میں لے گیا اور کُل سامان واپس کیا۔ سوداگروں نے امیر حمزہ کو دُعائیں دیں اور اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

شب رنگ نے ضِد کر کے امیر حمزہ کو اپنے قلعے میں ٹھہرایا اور دِل و جان سے اُن کی خاطر تواضع میں لگ گیا۔ ایک دِن وُہ اور امیر حمزہ قلعے کے باغ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ وہی بُڈّھا آیا جس نے محل میں امیر حمزہ کو راستہ دِکھایا تھا۔ وُہ اسے دیکھ کر بے حد خوش ہُوئے اور اُسے کُرسی پر بٹھایا۔

بُڈّھے نے شب رنگ کی طرف اشارہ کر کے کہا ”اے نوجوان، اِس ڈاکو نے میرا سامان بھی ایک مرتبہ لوٹا تھا۔ بُہت مہربانی ہو اگر میرا سامان واپس مِل جائے۔ میرا نام منصُور ہے اور میں ایک زمانے میں بُہت بڑا سوداگر تھا۔“

یہ سُن کر شب رنگ اپنے قلعے میں گیا اور بُڈّھے کا سامان لا کر باہر رکھا۔ اُس سامان میں ہاتھی دانت کا بنا ہُوا ایک خُوب صُورت صندوقچہ بھی تھا جِس کے اندر قیمتی ہیرے جڑے ہُوئے تھے۔ امیر حمزہ نے منصُور سے پُوچھا: ”بڑے میاں، یہ صندوقچہ بُہت خُوب صُورت ہے۔ اِس کے اندر کیا ہے؟“

”آہ۔۔۔۔۔۔ یہ مَت پوچھو۔۔۔۔۔ ورنہ مُصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔“ منصُور نے جواب دِیا۔ لیکن امیر حمزہ نے ضِد کی اور کہا کہ اب تو ہر قیمت پر صندوقچہ کھول کر دیکھیں گے۔ بُڈّھا مجبور ہُوا۔ اُس نے ایک خاص ترکیب سے صندوقچے کا ڈھکنا کھولا اور سبز ریشم میں لپٹی ہُوئی ایک تصویر نِکالی۔ حمزہ اِس تصویر کو دیکھتے ہی حیران رہ گئے۔ یہ ایک عورت کی تصویر تھی جِس کے سر پر تاج رکھا تھا۔

”اے نوجوان، اِس شہزادی کا نام اطلس پوش ہے اور یہ دربند کام یاب کے بادشاہ کاؤس رُومی کی بیٹی ہے۔ دُنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے شہزادے اس سے شادی کرنے کو بے قرار ہیں۔ مگر یہ کِسی کو پسند نہیں کرتی۔“

امیر حمزہ نے منصُور سے وُہ تصویر خرید لی۔ ایک رات شب رنگ کے قلعے سے نِکلے اور دربند کام یاب کی جانب روانہ ہُوئے۔ کئی دِن سفر کرنے کے بعد ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے دو راستے نکلتے تھے۔ حیران ہُوئے کہ کِس راستے پر جاؤں یکایک ایک گڈریا نمودار ہُوا اور اُس نے کہا۔

”اے حمزہ، یہ دونوں راستے دربند کام یاب کو جاتے ہیں۔ دائیں طرف کا راستہ چالیس روز کا ہے اور بائیں طرف کا راستہ چھ مہینے کا ہے۔ پہلے راستے پر ایک دِیوانے کا قبضہ ہے۔ اور جو شخص اِس راستے سے گُزرتا ہے وُہ اُس کی کھوپڑی پاش پاش کر ڈالتا ہے۔ تُم اس راہ پر جاؤ اور اُس دِیوانے کو قابُو میں لاؤ۔“

امیر حمزہ نے اِس اجنبی کا شکریہ ادا کیا۔ مگر حیران تھے کہ اُسے میرا نام کیوں کر معلُوم ہُوا۔ آخر صبر نہ ہو سکا۔ پُوچھ ہی لِیا۔ ”اے بھائی، یہ تو بتا تُم کو میرا

نام کیسے معلُوم ہُوا؟"

وُہ شخص ہنسا اور کہنے لگا۔ "اسے حمزہ میرا نام خِضر ہے۔ خُدا کے حکم سے آیا ہُوں۔ کبھی کِسی بھیس میں ہوتا ہُوں، کبھی کِسی بھیس میں۔۔۔ اچھّا، اب دیر نہ کر اور جلد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو۔" یہ کہہ کر حضرت خِضر غائب ہو گئے۔

امیر حمزہ اللہ کا نام لے کر دائیں راستے پر چل پڑے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ جا بجا ندیاں اور پہاڑی چشمے رواں تھے اور جنگل میں سینکڑوں قسم کے جانور آزادی سے گھُوم رہے تھے۔ اُنتالیس (۳۹) دِن خیریت سے گُزر گئے۔ چالیسواں دِن تھا اور حمزہ ایک کھیت میں سے تربوز توڑ کر کھا رہے تھے کہ کُچھ فاصلے پر گرد اُڑی اور اُس میں سے ایک لمبا تڑنگا اِنسان نمودار ہُوا۔ اس کا جسم بالکُل سیاہ تھا اور ایک لنگوٹی کے سِوا کوئی اور کپڑا پہنے ہُوئے نہ تھا۔ سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہُوئے تھے۔ مُنہ سے رال بہہ رہی تھی اور آنکھیں سُرخ تھیں۔ اُس کے دوڑنے سے زمین ہِل رہی تھی۔ ایسا طاقتور آدمی امیر حمزہ نے

اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وُہ دِیوانہ تقریب آن کر کہنے لگا:

"اے بد نصیب تُو کون ہے اور اِدھر کیوں آ نِکلا؟ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ زندگی کے ہاتھوں تنگ آ گیا ہے۔"

"میں ایک مُسافر ہُوں اور دربند کام یاب کو جاتا ہُوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"لیکن تُو نے میری اولاد کو کیوں مارا؟" دِیوانے نے غضب ناک ہو کر اُس تربوز کی طرف اشارہ کیا جو امیر حمزہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ سُن کر امیر حمزہ ہنس پڑے۔ دِیوانہ مُنہ سے جھاگ اُڑاتا ہُوا اُن کی طرف لپکا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا تھا۔ اُس نے وہ ڈنڈا حمزہ کے سر پر مارا۔ حمزہ کو یوں محسوس ہوا جیسے آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اُڑ رہی ہُوں۔ چکرا کر زمین پر گرے۔ دِیوانہ خُوشی سے اُچھلنے کُودنے لگا۔ وُہ امیر حمزہ پر دوسرا وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اُنہوں نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اِس زور کا جھٹکا دِیا کہ وُہ مُنہ کے بَل

زمین پر دھم سے گرا۔ بس پھِر کیا تھا۔ ہولناک چیخ مار کر وُہ حمزہ سے لپٹ گیا اور دونوں میں کُشتی شروع ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ سارادِن وُہ دِیوانہ امیر حمزہ سے کُشتی لڑ تارہا اور ہر قسم کے داؤ پیچ آزمائے۔ مگر حمزہ کو گرا نہ سکا۔ البتہ حمزہ اُس کی قُوّت اور بہادُری کے قائل ہو گئے۔ سُورج غروب ہونے کے بعد یکایک حمزہ نے نعرہ مار کر دِیوانے کو اُٹھایا اور سر پر گھُما کر چاہتے تھے کہ زمین پر دے ماریں کہ اُس نے امان طلب کی۔ تب اُنھوں نے اُسے آہستہ سے زمین پر پھینکا۔ دِیوانے نے حمزہ کے قدم پکڑے اور کہا:

"اسے جوان، آفرین ہے تُجھ پر۔۔۔ اب تک دس ہزار آدمیوں کو جان سے مار چُکا ہُوں مگر آج سے تیر غُلام ہُوں۔"

"اے دِیوانے تیرا نام کیا ہے؟" امیر حمزہ نے پُوچھا۔

"مُجھے قندس کہتے ہیں۔" دِیوانے نے جواب دِیا۔ پھِر امیر حمزہ نے اُسے اپنے

ساتھ لیا اور در بند کام یاب کی جانب روانہ ہُوئے۔ دِن رات منزلیں طے کرتے ہُوئے چلے جاتے تھے کہ ایک جنگل میں بُہت بڑا لشکر دِکھائی دِیا جو پڑاوٴ ڈالے ہُوئے تھا۔ حمزہ نے قندس دِیوانے سے کہا جا کر معلُوم کر یہ لشکر کِس کا ہے۔ قندس دِیوانہ لشکر کے قریب پہنچا اور ایک سپاہی سے پُوچھا:

"کیوں میاں سپاہی، یہ لشکر کِس کا ہے اور کِدھر جاتا ہے؟"

سپاہی نے کوئی جواب نہ دِیا۔ البتہ دوسرا سپاہی کہنے لگا۔ "یہ لشکر آصف اور الیاس کا ہے۔"

تب قندس دِیوانے نے دُوسرے سپاہی کو اِس زور کا گھُونسا مارا کہ وُہ پٹخنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا اور مَر گیا۔ یہ دیکھ کر بُہت سے سپاہی قندس دِیوانے کی طرف لپکے اور اُسے گھیرے میں لے لیا۔ اُنہوں نے اُس سے پُوچھا کہ سپاہی نے کیا خطا کی تھی کہ تُو نے اُسے ہلاک کیا؟ قندس دِیوانہ ہنس کر بولا:

"میں نے اِس سے کُچھ نہیں پُوچھا تھا۔ پھِر اُس نے کیوں جواب دِیا؟"

یہ سُن کر سپاہیوں کو غصّہ آیا اور وُہ سب دِیوانے پر پِل پڑے مگر قندس کی بے پناہ طاقت کے سامنے کِسی کی پیش نہ گئی اور اُس نے مار مار کر سب کا بھُرکس نِکال دِیا۔

امیر حمزہ نے دیر تک قندس کا اِنتظار کیا لیکن وُہ نہ آیا۔ تب وُہ لشکر میں آئے۔ دیکھا کہ ایک ہلّڑ مچ رہا ہے۔ اور قندس دِیوانہ اپنی شہ زوری کے کرتب دِکھانے میں مصرُوف ہے۔ اُنہوں نے آگے بڑھ کر دِیوانے کو ڈانٹا اور سپاہیوں کو سمجھایا کہ یہ پاگل ہے۔ اِس سے کُچھ نہ کہو۔ اِس دوران میں آصف اور الیاس بھی آن پہنچے اور معاملہ رفع دفع ہُوا۔ آصف اور الیاس نے امیر حمزہ سے پُوچھا کہ آپ کون ہیں اور کِدھر کا ارادہ ہے؟ امیر نے بتایا کہ میرا نام سعد شامی ہے، سوداگر ہُوں۔ تجارت کا مال لے کر دربند کام یاب کو جاتا تھا کہ راہ میں قزّاقوں نے لُوٹ لیا۔ یہ دِیوانہ میرا غُلام ہے۔

یہ سُن کر آصف اور الیاس نے امیر حمزہ کو تسلّی دی اور کہا "سعد شامی، فکر نہ کرو۔ ہمارے ساتھ چلو ہم دربند کام یاب کے بادشاہ کاؤس رُومی کے بیٹے

ہیں۔ شہر جاکر تمھیں اِتنامال دیں گے کہ خوش ہو جاؤ گے۔"

امیر حمزہ نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور لشکر میں شامل ہو گئے۔ جب در بند کام باب نزدیک آیاتو حمزہ نے قندس دِیوانے سے کہا کہ شہر میں جائے اور سرائے میں ٹھہرنے کی جگہ تلاش کرو۔ قندس شہر کے اندر پہنچا اور ایک اچھّی سی سرائے تلاش کی مگر سرائے کے مالک نے کہا کہ کوئی جگہ خالی نہیں۔۔۔۔ سرائے مُسافروں سے بھر چُکی ہے۔ یہ سُن کر قندس کو طیش آ گیا۔ مُسافروں کو مار مار کر وہاں سے نِکال دِیا۔ سرائے کا مالک بھی خُوف زدہ ہو کر بھاگ گیا۔ اِس اِثنا میں امیر حمزہ بھی شہر میں داخل ہُوئے۔ دیکھا کہ ہر طرف ایک ہنگامہ برپا ہے۔ پُوچھا کہ کیا آفت آ گئی۔ کِسی نے بتایا کہ ایک سیاہ فام شخص سرائے میں آیا ہے اور مُسافروں کو مار مار کر نِکال رہا ہے۔ حمزہ سمجھ گے کہ یہ شخص قندس دِیوانے کے سِوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

فوراً سرائے کا رُخ کیا۔ دیکھا کہ دِیوانہ سرائے کے صحن میں بیٹھا ہے۔ امیر کو دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

”تشریف لائیے میرے آقا۔ پُوری سرائے آپ کے لِیے حاضر ہے۔“

”خُدا تُجھ سے سمجھے۔“ حمزہ نے ناراض ہو کر کہا۔ ”میں نے تُجھ سے یہ کب کہا تھا کہ مُسافروں کو مار مار کر یہاں سے بھگا دے۔ اب فوراً جا اور اُن سب کو لے کر آ جنھیں تُو نے یہاں سے نِکالا ہے اور آیندہ ایسی حرکت مت کیجو۔ ورنہ مُجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔“

شام کے وقت آصف اور الیاس بھی اِس سرائے میں آئے اور امیر حمزہ کو پہچان کر صاحب سلامت کی۔ پھِر آصف نے کہا۔ ”اے سعد شامی، ہم تُجھے اپنے باپ کے پاس لے چلتے ہیں۔ اُمّید ہے تیری ساری تکلیفیں دُور ہو جائیں گے۔“

حمزہ اُن کے ساتھ چلے۔ کاؤس رُومی کے دربار میں داخل ہُوئے اور ایک عالی شان فولادی کُرسی پر جا بیٹھے۔ کاؤس رُومی نے پریشان ہو کر حمزہ سے کہا:

”اے نادان، تیری موت آئی ہے کہ اِس کُرسی پر آن بیٹھا یہ فولاد پنجہ کش

کی کُرسی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس کے آنے سے پہلے اُٹھ جا۔ ورنہ وُہ مار مار کر تیری ہڈّیاں سُرمہ کر دے گا۔"

امیر حمزہ مُسکرائے اور کہا: "اے بادشاہ، میں نے اپنی زندگی میں بُہت سے فولاد پنجہ کش دیکھے ہیں۔ اب تو میں اِس کُرسی سے ہرگز نہ اُٹھوں گا۔"

یہ گُفتگو ہو رہی تھی کہ ایک دیو زاد دربار میں داخل ہُوا۔ اُس کا بدن شیشے کی مانند چمک رہا تھا اور شیر کی کھال کندھے پر پڑی تھی۔ اپنی کُرسی پر ایک اجنبی کو بیٹھے دیکھ کر بادل کی طرح گرج کر بولا:

"یہ گُستاخ نابکار کون ہے؟ اِسے کِسی نے بتایا نہیں کہ یہ کُرسی کِس کی ہے؟"

"اے فولاد پنجہ کش، زیادہ تقریر کی ضرورت نہیں۔ تُجھے اپنی قُوّت کا زعم ہے تو آ اور مُجھ سے پنجہ مِلا۔"

تب فولاد پنجہ کش دُوسری کُرسی پر بیٹھا اور امیر حمزہ سے پنجہ آزمائی کرنے لگا۔ کئی گھنٹے تک دونوں پنجہ لڑاتے رہے اور حمزہ نے ایسا زور کِیا کہ فولاد کی ایک

اُنگلی ٹُوٹ گئی اور وُہ درد سے چلّانے لگا۔ تب امیر حمزہ نے اُس سے کہا:

"اب تُجھے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں اِس کُرسی پر بیٹھے کا حق رکھتا ہُوں۔"

"بے شک۔" کاؤس رُومی نے جواب دِیا اور فولاد پنجہ کش کو حُکم دِیا کہ "سعد شامی کے قدموں کو بوسہ دے اور اُس کی اِطاعت قبُول کر۔"

فولاد نے سچّے دِل سے امیر حمزہ کی اِطاعت کا اِقرار کیا۔ پھِر حمزہ نے اُسے گلے سے لگایا اور اُس کی کُرسی اُسی کو سونپ دی۔ یہ دیکھ کر درباریوں نے آفرین کے نعرے لگائے پُورے شہر میں غُل مچ گیا کہ سعد شامی نام کے ایک نوجوان نے فولاد پنجہ کش کی اُنگلی توڑ ڈالی ہے۔ کاؤس رُومی اور اُس کے بیٹوں شہزادہ آصف اور شہزادہ الیاس نے امیر حمزہ کو ایک عالی شان اور سجے سجائے مکان میں ٹھہرایا اور بُہت سے لونڈی غُلام خدمت کو عطا کیے۔ حمزہ نے قندس دِیوانے کو اپنے مکان کا چوکیدار مُقرّر کیا اور سمجھایا کہ اب دِیوانہ پن چھوڑ کر آدمی بن جا۔۔۔

مزدُوق فرنگی سے جنگ

ایک دِن صبح سویرے امیر حمزہ نئی پوشاک پہن کر کاؤس رُومی کے دربار میں آئے۔ اُس نے بڑی تعظیم سے اپنے قریب بٹھایا۔ فولاد پنجہ کش بھی گردن جھکائے آیا اور امیر حمزہ کے قدموں میں جا بیٹھا۔ اچانک ہرکاروں نے خبر دی کہ مرزُوق فرنگی کا ایک جرنیل دولائے فرنگی پانچ ہزار سپاہیوں کو لے کر شہر پناہ کے دروازے پر اُترا ہے اور انیس فرنگی مرزُوق کا خط لیے ہُوئے آتا ہے۔ اتنے میں شور مچا اور انیس فرنگی سامنے آیا۔ کاؤس رُومی کو سلام کیا اور کُرسی پر بیٹھنے کے بعد مرزُوق کا خط بادشاہ کو دِیا۔ اُس نے خط پڑھا۔ اُس میں لکھا تھا۔

"اے کاؤس رُومی، تُجھ کو معلُوم ہو کہ میرا بیٹا کپتان فرنگی تیری بیٹی اطلس پوش سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اطلس پوش کو جلد سوار کرا کے

دولائے فرنگی کے ہمراہ روانہ کرو۔ جہیز وغیرہ کی کُچھ فکر نہ کرنا۔ میں اُس کی شادی یہاں بڑی دھوم دھام سے خُود کروں گا اور تُم کو فخر کرنا چاہیے کہ مرزُوق فرنگی نے اپنے بیٹے کے لیے تُمہاری بیٹی کا رشتہ طلب کیا ہے۔ اب دیر نہ کرو اور شہزادی اطلس پوش کو فوراً روانہ کرو ورنہ میں تمھیں ایسی عبرت ناک سزا دُوں گا جو آج تک کِسی کو نہ دی ہو گی۔"

کاؤس رُومی نے یہ خط پڑھا تو خوف سے اُس کا کلیجا بیٹھے لگا۔ وُہ مرزُوق فرنگی کی طاقت سے اچھّی طرح آگاہ تھا کہ اِنکار کی صورت میں وُہ دربند کام یاب کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ اطلس پوش کو دولائے فرنگی کے ساتھ بھیج دینا چاہیے۔

امیر حمزہ کاؤس رُومی کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ غور سے دیکھ رہے تھے۔ سمجھ گئے کہ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ اپنی جگہ سے اُٹھے اور اُس کے قریب جا کر کہا:

"اگر کوئی ہرج نہ ہو تو یہ خط مُجھے دکھایئے۔"

کاؤس نے چُپ چاپ وُہ خط امیر کے ہاتھ میں دے دِیا۔ امیر حمزہ نے مضمون پڑھا تو غصّے سے چہرہ انگارے کی طرح لال ہو گیا۔ اُنھوں نے وُہ خط پُرزے پُرزے کر دِیا۔ یہ دیکھ کر انیس فرنگی طیش میں آ کر چلّایا:

"اے بد بخت، تُو نے غضب کیا کہ مرزُوق کا خط پھاڑ کر پھینک دِیا۔ اب تُجھے موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی کمر سے خنجر نِکالا اور امیر حمزہ کی طرف پھینکا۔ قریب تھا کہ وُہ خنجر حمزہ کے سینے میں پیوست ہو، کہ اُنھوں نے وار خالی دِیا۔ پھِر آگے بڑھ کر ایک طمانچہ اِس زور سے انیس فرنگی کے گال پر دِیا گیا کہ اُس کی گردن پھِر گئی۔ تڑپ کر ِگرا اور ِگرتے ہی مَر گیا۔ یہ دیکھ کر اُس کے ساتھ آنے والے چار فرنگی غُلاموں نے حمزہ پر حملہ کر دِیا مگر امیر نے ایک ایک کر کے اُن چاروں کو خُون میں نہلایا۔ آخر یہ غُلام وہاں سے بھاگے اور اپنے لشکر میں جا کہ دولائے فرنگی سے سب حال کہا۔ اُسے سخت غصّہ آیا۔ اُسی وقت طبلِ جنگ بجانے کا حکم دِیا۔ اِدھر ہرکاروں نے کاؤس رُومی تک خبر پہنچائی کہ

دولائے فرنگی حملہ کر رہا ہے۔ تب کاؤس نے امیر حمزہ سے کہا:

"اے سعد شامی، تُو نے یہ کیا غضب کیا کہ انیس فرنگی اور اُس کے غُلاموں کو مارا۔ اب عذاب آیا چاہتا ہے۔ دولائے فرنگی قتلِ عام کرے گا اور خُدا کی بے گناہ مخلوق ناحق ماری جائے گی۔"

"آپ بالکل نہ گھبرائیے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "دولائے فرنگی اور اُس کے آقا مرزُوق سے میں نپٹ لُوں گا۔"

غرض رات بھر جنگ کی تیّاری ہوتی رہی اور صبح کو امیر حمزہ کاؤس رُومی کی چھوٹی سی فوج لے کر میدانِ جنگ میں آئے۔ دولائے فرنگی بھی تیّار تھا اور اپنی فوج کی صفیں بنا رہا تھا۔

آصف اور الیاس نے بھی اپنے باپ سے کہا کہ یہ خلافِ مروّت ہے کہ سعد شامی اکیلا لڑے۔ ہم بھی اُس کے دائیں بائیں کھڑے ہُوں گے۔ کاؤس نے دونوں شہزادوں کو اِجازت دے دی اور دو گھوڑے دوڑاتے ہُوئے میدان

میں آ گئے۔

یکایک دولائے فرنگی کے چند نقیب نمودار ہُوئے اور اُنھوں نے بلند آواز سے کہا:

"جِس شخص کو مَوت کی آرزو ہو وُہ میدان میں نِکلے اور ارزَن کا مقابلہ کرے۔"

اِس اعلان کے ساتھ ہی دولائے فرنگی کے لشکر میں سے ایک قد آور نوجوان سُرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار میدان میں آیا۔ سر سے پاؤں تک اُس کا جسم فولادی زرہ میں چھُپا ہوا تھا اور ہاتھ میں ایک فُٹ لمبا نیزہ تھا۔ تب فولاد پنجہ کش حمزہ سے اِجازت لے کر ارزَن کے مقابلے میں آیا۔ ارزَن نے گھوڑا دوڑا کر نیزے سے حملہ کیا۔ نیزے کی انّی فولاد پنجہ کش کے سر کو چھُو گئی اور خُون بہنے لگا۔ یہ دیکھ کر فولاد غصّے سے تپ گیا۔ اور تلوار نِکال کر ایسا زبردست وار کیا کہ ارزَق کا بدن خربوزے کی پھانک بن کر کٹ گیا اور وُہ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ زمین پر ِگرا۔ ارزَق کے ِگرتے ہی توماس فرنگی میدان میں آیا۔

اِدھر سے قندس دیوانہ جھُومتا ہُوا اُس کے مقابلے میں چلا۔۔۔

توماس نے تلوار سے حملہ کیا۔ قندس نے ڈھال پر وار روکا اور پھِر کئی من وزنی ڈھال توماس کے سر پر اِس زور سے دے ماری کہ اُس کا بھیجا کھوپڑی سے باہر آ گیا۔ اِتنے میں تین فرنگی گالیاں بکتے ہُوئے میدان میں آئے۔ یہ تینوں توماس کے سگے بھائی تھے۔ قندس دِیوانے نے ایک ایک کر کے تینوں کو ٹھکانے لگایا۔ اب تو دولائے فرنگی کی فوج میں دہشت پھیلی اور اُس نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ یہ دیکھ کر دولائے فرنگی نے اپنے سپاہیوں کو ڈانٹا اور کہا:

”اگر کِسی نے میدان چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش کی تو زن و بچّہ کولھو میں پسوا دُوں گا۔ اب تماشا دیکھو۔ میں ابھی اِس دیوانے کو گرفتار کر کے لاتا ہُوں۔“

دولائے فرنگی نہایت عیّار آدمی تھا۔ اُس نے سوچا لڑنے بھِڑنے سے کام نہیں چلے گا۔ دِیوانے کو گرفتار کرنے کے لیے کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ وُہ ایک کمند لے کر میدان میں آیا اور اپنے گھوڑے کو قندس کے اِرد گرد چکّر دینے لگا۔ قندس اِس حرکت پر قہقہے لگانے لگا۔ اُسے بے خبر پا کر یکایک دولائے فرنگی

نے کمند پھینکی اور دِیوانے کو اُس میں جکڑ کر گھسیٹتا ہُوا اپنے لشکر میں لے گیا۔ اُس کی فوج نے خوشی سے نعرے لگا لگا کر آسمان سر پر اُٹھالیا۔

اب آصف اور الیاس نے میدان میں جانا چاہا لیکن امیر حمزہ نے اُنہیں روک دِیا اور کہا کہ قندس میرا غلام تھا۔ مجُھے اُس کے پکڑے جانے کا بڑا صدمہ ہے۔ جب تک اُسے قید سے رہا نہ کراؤں گا، مجُھ پر کھانا پینا حرام ہے۔ اِتنے میں دولائے فرنگی پھِر نمودار ہُوا اور بلند آواز سے کہنے لگا:

"جسے بہادُری کا دعویٰ ہو وُہ میرے سامنے آئے۔ دم کے دم میں چُوہے کی طرح پکڑ کر اپنے لشکر میں لے جاؤں گا۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُسی وقت اپنا گھوڑا بڑھایا اور اِس شان سے میدانِ جنگ میں نکلے کہ دوست دشمن سب نے واہ واہ کی۔ دولائے فرنگی کے دِل پر ہیبت طاری ہُوئی۔ وُہ امیر حمزہ سے کہنے لگا:

"اے جوان، تو کون ہے اور تُونے یہ گھوڑا اور ہتھیار کہاں سے ہتھیائے؟"

”اے بے ایمان فرنگی، میں یہاں تیرے بے ہودہ سوالوں کا جواب دینے نہیں آیا۔ تُجھے بہادُری کا دعویٰ ہے تو کوئی ثبوت پیش کر۔“

یہ سُن کر دولائے فرنگی نے پھِر اپنا گھوڑا دوڑایا اور امیر حمزہ کے گرِد تیزی سے چکّر کاٹنے لگا۔ پھِر موقع پا کر اُس نے کمند پھینکی لیکن امیر حمزہ نے کمند پکڑ لی اور ایسا بل دِیا کی دولائے فرنگی اپنے گھوڑے سے مُنہ کے بل زمین پر گرِا اور اُس کی ناک کان سے لہُو جاری ہُوا۔ وُہ واپس اپنے لشکر میں جانا چاہتا تھا کہ امیر حمزہ کی تلوار بجلی کی مانند اُس کے اوپر گرِی اور اُس کا ناپاک جسم دو ٹکڑے ہو گیا۔ آصف اور الیاس کے لشکر نے خُوشی کے نعرے لگائے۔ پھِر اُنہوں نے فرنگیوں پر حملہ کر دِیا۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے لگی۔ سر دھڑ کی بازی لگی۔ ایسی گھمسان کی جنگ ہُوئی کہ آسمان کی آنکھ نے ایسا نظّارہ پہلے کبھی نہ کِیا ہو گا۔

اپنے سپہ سالار کے مارے جانے سے فرنگی فوج کے حوصلے پست ہو گئے۔ وُہ زیادہ دیر تک جم نہ سکی اور جب بے شُمار سپاہی گاجر مولی کی طرح کٹ گئے تو

اُس نے اپنے گھوڑوں کی باگیں پھیریں اور بھاگ اُٹھی۔ امیر حمزہ نے قندس دِیوانے کو چھڑُالیا۔ وُہ لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں میں جکڑا ہُوا تھا۔ امیر کو دیکھتے ہی اُن کے قدموں پر ِگرا اور آنسو بہانے لگا۔

آصف اور الیاس سعد شامی کی بہادُری اور جی داری دیکھ کر بہت تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اُنہوں نے فرنگیوں کے لشکر کو اِس بُری طرح شکست دی تھی۔ جب یہ شہزادے سعد شامی کو اپنے ساتھ لے کر دربند کام یاب میں آئے تو شہر کے باہر کاؤس رُومی نے اُن کا استقبال کیا۔ اُس نے سعد شامی کو گلے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دِیا، پھِر کہنے لگا:

”میں اپنی خُوش نصیبی پر ناز کرتا ہُوں کہ بیٹھے بٹھائے تُجھ جیسا شیر دِل بیٹا مُجھے مل گیا۔ اب میں تُجھے کہیں جانے نہ دُوں گا۔ اپنی بیٹی اطلس پوش سے تیری شادی کروں گا۔“

یہ سُن کر امیر حمزہ مُسکرائے اور کہا ”اے بادشاہ، میرا نام سعد شامی نہیں، حمزہ ہے اور میں نوشیرواں شہنشاہ ہفت کشور کا داماد ہُوں۔ میں نے ایک وجہ سے

اپنا صحیح نام نہیں بتایا تھا۔ اُس کی معافی چاہتا ہُوں۔"

کاؤس رُومی اور اُس کے بیٹوں نے جب سُنا کہ امیر یہی شخص ہے تو خُوشی کے مارے پھُولے نہ سمائے اور انتہائی تعظیم سے اپنے عالی شان محل میں لے گئے۔ تب کاؤس رُومی نے امیر حمزہ سے کہا:

"تُم نے مُجھ پر بڑا احسان کیا کہ یہاں آئے اور فرنگی دُشمنوں سے میری خاطر لڑے لیکن ابھی خطرہ دُور نہیں ہوا۔ مرزُوق فرنگی جب اپنے سپہ سالار دولائے فرنگی کے مارے جانے کی خبر سُنے گا تو طیش میں آکر یہاں آئے گا اور اُس کے ساتھ لاکھوں فرنگیوں کا ایک لشکر ہو گا۔"

"اے بادشاہ، مرزُوق فرنگی کی کیا مجال کہ دربند کام یاب کی جانب آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "اگر وُہ یہاں آیا تو جان سلامت لے کر نہ جائے گا۔"

اُدھر شہزادی اطلس پوش کی سہیلی وزیر زادی نے یہ تمام قصّہ اپنی شہزادی کو

سُنایا اور کہا کہ سعد شامی دراصل امیر حمزہ ہے اور نوشیرواں کا داماد ہے۔ اُس وزیر زادی کا نام شیوہ تھا اور وُہ محل کی تمام لڑکیوں میں سب سے زیادہ چالاک سمجھی جاتی تھی۔ شہزادی اطلس پوش نے جب سُنا کہ امیر حمزہ کی شادی نوشیرواں کی بیٹی مِہر نگار سے ہو چکی ہے تو اُس کا دِل بیٹھ گیا اور وُہ چُپکے چُپکے آنسو بہانے لگی۔ تب شیوہ وزیر زادی نے اطلس پوش سے کہا:

"اے شہزادی، اب رونے دھونے سے کیا حاصل۔ صبر کرو اور دیکھو کہ خُدا کیا کرتا ہے؟"

امیر حمزہ تو دربند کام یاب میں مرزُوق فرنگی کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اور اُدھر سُلطان بخت مغربی نے مکّے جا کر خواجہ عبدالمطّلب کو سارا قِصّہ سُنایا کہ ایک سنہری ہرن کے پیچھے امیر حمزہ نہ جانے کہاں نِکل گئے۔ خواجہ عبدالمطّلب سخت پریشان ہُوئے اور اُنہوں نے اُسی وقت عُمرو عیّار کے پاس ایک قاصد روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ امیر حمزہ کو تلاش کرو۔

عُمرو عیّار نے آئینۂ سکندری نِکالا اور اس میں دیکھا کہ امیر حمزہ دربند کام یاب

میں موجُود ہیں اور کاؤس رُومی اُن کی خاطر تواضع میں بچھا جاتا ہے۔ تب عُمرو عیّار نے ایک مال دار سوداگر کا بھیس بدلا اور ہَوا کے گھوڑے پر سوار ہو در بند کام یاب کی جانب روانہ ہُوا۔

ہرکاروں نے بادشاہ کو خبر دی کہ ایک بُہت بڑا سوداگر شہر میں آیا ہے اور دربار میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ کاؤس رُومی نے سوداگر کو دربار میں آنے کی اِجازت دی۔ عُمرو عیّار دربار میں آیا۔ دیکھا کہ درباری قطار اندر قطار شان دار لباس پہنے کھڑے ہیں۔ جا بجا حبشی غُلام تلواریں اور نیزے لیے پہرا دے رہے ہیں۔ ایک اُونچے تخت پر کاؤس رُومی بیٹھا ہے اور اُس کے قریب ہی امیر حمزہ نہایت بیش قیمت لباس پہنے سونے کی کُرسی پر بیٹھے ہیں۔

عُمرو عیّار نے تخت کے قریب پہنچ کر کاؤس رُومی کو جھُک کر سلام کیا اور دولت و اقبال بڑھنے کی دعائیں دیں۔ کاؤس نے سلام کا جواب دے کر کہا:

"اے سوداگر، تُو کہاں سے آیا ہے اور تیرے پاس کیا کیا چیزیں ہیں؟"

سوداگر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ”جہاں پناہ میں ملک حبشہ سے آیا ہُوں اور آنے کی وجہ یہ ہے کہ میرا ایک غُلام کُچھ سامان چُرا کر بھاگا اور آپ کے شہر میں آگیا ہے۔ میں اُسی کی تلاش میں آیا ہُوں اور سُنا ہے کہ وُہ غُلام آپ کے دربار میں پہنچ گیا ہے۔“

کاؤس رُومی یہ سُن کر حیران ہوا۔ کہنے لگا۔ ”اے سوداگر ہوش سے بات کر ورنہ ابھی تیری گردن اُڑادی جائے گی۔ میرے دربار میں سبھی لوگ عزّت دار ہیں۔ اچھّے خاندانوں کے ہیں۔ اِن میں غُلام کیسے شامل ہو سکتا ہے؟“

تب عُمرو عیّار نے مُسکرا کر کہا۔ ”عالی جاہ، آپ کا فرمانا درست ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ میرا وُہ غُلام کوئی ایرا غیرا نتھّو خیرا نہیں، ایک اُونچے خاندان کا آدمی ہے اور اب میں نے دیکھ لیا ہے کہ وُہ کِس جگہ بیٹھا ہے۔“

کاؤس رُومی اپنے تخت سے اُٹھا اور گرج کر بولا۔ ”جلد بتا وُہ غُلام کون ہے؟“

عُمرو نے جھٹ امیر حمزہ کی جانب اشارہ کر دِیا۔ امیر حمزہ بدحواس ہو کر سوداگر

کی طرف گھُورنے لگے۔ عُمرو نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”کیوں او غُلام، اب بول۔۔۔ میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟“

دربار میں سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ ہر شخص پلک جھپکائے بغیر عُمرو اور امیر حمزہ کو گھُور رہا تھا۔ کاؤس رُومی اور اُس کے بیٹوں آصف اور الیاس کے مُنہ حیرت سے کھُلے کے کھُلے رہ گئے تھے۔ کاؤس نے گرج کر امیر حمزہ سے کہا:

”کیا یہ سوداگر سچ کہتا ہے؟“

”اے بادشاہ، یہ سوداگر بکواس کرتا ہے۔ میں نے آج سے پہلے اِس کی شکل تک نہیں دیکھی۔“ امیر حمزہ نے کہا۔

یہ سُنتے ہی قندس دِیوانہ اپنی جگہ سے اُچھلا اور عُمرو کی طرف بڑھا۔ اُس کی ہیبت ناک شکل اور ہاتھی جیسا جسم دیکھ کر عُمرو کے اوسان خطا ہُوئے۔ وہیں سے اصلی آواز میں چلّایا۔ ”اے حمزہ، اِس موذی سے مُجھے بچا۔“

امیر حمزہ نے فوراً اپنے یار عُمرو عیّار کی آواز پہچان لی اور قندس دِیوانے کو حکم

دِیا کہ خبر دار سوداگر کو کوئی نقصان نہ پہنچے یہ واقعی ہمارا آقا ہے اور ہم اِس کے غُلام ہیں۔ تب قندس دِیوانہ اپنی جگہ آن بیٹھا۔ اُس کے بعد امیر حمزہ نے عُمرو کا ہاتھ پکڑا اور کاؤس کے پاس لے گیا۔

"اے بادشاہ، یہ میرا بچپن کا دوست عُمرو ہے۔ عیّاری میں بے مثال اور ہوشیاری میں لاجواب۔ میری تلاش میں آیا ہے۔ اور یہ بھیس بھرا ہے"

کاؤس رُومی نے عُمرو کا نام اور کارنامے سُن رکھے تھے۔ اِس سے مل کر بُہت خُوش ہُوا اور کہنے لگا:

"مرحبا، اے عیّاروں کے سردار تُم خُوب آئے۔ اب میں تُمھیں جانے نہ دُوں گا۔"

کاؤس نے یہ کہہ کر عُمرو کا ہاتھ پکڑا اور اپنے محل میں لے گیا۔ راستے میں عُمرو نے امیر حمزہ سے کہا "بھائی حمزہ، تُم جیسا بے وفا اور بے پروا آدمی بھی نہیں دیکھا۔ ہرن کے شکار کو نکلے اور یہاں آن کر عیش و عشرت میں پڑے۔ اپنے

یار دوستوں کی خبر نہ لیتے، کم از کم شہزادی مِہر نگار اور شہزادوں کا حال تو معلُوم کر لیتے۔ تُمہاری جُدائی میں اُن پر کیا بیت گئی ہے۔"

اتنے میں شور مچا کہ شہزادی اطلس پوش کی سواری آئی ہے۔ چند لمحے بعد اطلس پوش وہاں آئی تو اُس کو دیکھ کر عُمرو نے دانتوں میں اُنگلی دبائی۔ یکایک اطلس پوش کی سہیلی وزیر زادی شیوہ اُدھر سے گُزری اور شرارت سے عُمرو کو انگوٹھا دِکھایا۔ عُمرو کا خُون کھول گیا۔ دانت پیس کر کہنے لگا:

"معلُوم ہوتا ہے اِس عورت کی شامت آئی ہے۔ خواہ مخواہ مُجھے انگوٹھا دِکھا کر گئی ہے۔"

عُمرو کی اِس بات پر کاؤس رُومی اور امیر حمزہ خُوب ہنسے۔ تھوڑی دیر بعد دستر خوان بچھا اور سب لوگ کھانے کے لیے بیٹھے۔ اِتّفاق سے وزیر زادی شیوہ عُمرو عیّار کے بالکل سامنے بیٹھی تھی۔ عُمرو کو شرارت سوجھی۔ شیوہ سے کہنے لگا:

"سارے زمانے میں اُودھم مچ رہا ہے کہ اطلس پوش بڑی خُوب صُورت شہزادی ہے۔ لیکن ہمیں تو اُس کی آنکھ خراب نظر آتی ہے۔ میرا خیال ہے کُچھ بھینگی ہے۔"

یہ سُن کر شیوہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جل کر بولی۔ "تیرے مُنہ میں خاک۔ چاند میں داغ ہے لیکن ہماری شہزادی میں داغ نہیں۔ مُوئے، تیری آنکھ بھینگی ہے ہو تُجھے شہزادی میں یہ عیب دِکھائی دِیا۔"

"آہا۔۔۔۔" عُمرو نے ہنس کر کہا۔ "اپنے مُنہ میاں مٹھو اِسی کو کہتے ہیں۔ کبھی آپ نے اور آپ کی شہزادی نے آئینے میں اپنی صُورت بھی دیکھی ہے۔ اگر نہیں دیکھی تو میں آئینہ پیش کرتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر اپنی زنبیل میں سے ایک آئینہ نِکالا اور شیوہ کو دِیا۔ شیوہ نے پہلے اُس میں اپنی شکل دیکھی تو واقعی ایک آنکھ بڑی اور ایک چھوٹی دِکھائی دی۔ وُہ سخت پریشان ہُوئی۔ پھِر شہزادی اطلس پوش کے پاس جا کر وُہ آئینہ اُسے دِیا۔ اُس نے بھی اپنی شکل دیکھی تو ایک آنکھ بھینگی دِکھائی دی۔ اب تو وزیر زادی

اور شہزادی دونوں کے چہرے خوف سے فق ہُوئے اور کلیجے دھک دھک کرنے لگے۔ جتنی بار آئینے میں اپنی صورتیں دیکھتیں، کوئی نہ کوئی عیب نظر آتا۔ کبھی دائیں آنکھ بھینگی دِکھائی دیتی تو کبھی بائیں آنکھ، کبھی دانت لمبے لمبے نظر آتے تو کبھی ناک موٹی اور بھدّی ہو جاتی۔ تب عُمرو نے سارا قِصّہ امیر حمزہ کے کان میں کہا۔ وُہ بہُت ہنسے اور اُنہوں نے کاؤس رُومی کو سُنایا۔ وُہ بھی خُوب ہنسا۔ آخر امیر حمزہ نے شہزادی سے کہا:

"خواجہ عُمرو کہتے ہیں کہ اگر شہزادی صاحبہ اور وزیر زادی مُجھے کُچھ عطا فرمائیں تو یہ عیب دُور ہو سکتا ہے؟" یہ سُن کر اطلس پوش نے جواہرات کا صندوقچہ منگوایا اور دو بیش قیمت لعل نِکال کر عُمرو کر دیئے۔ عُمرو نے سلام کر کے لے لئے۔ پھِر پہلا آئینہ زنبیل میں رکھ کر دوسرا آئینہ نِکالا اور شہزادی کو دِیا۔ شہزادی نے اِس آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو پہلے سے بھی زیادہ حسین نظر آنے لگی۔ یہ کرشمہ دیکھ کر شہزادی بے حد خُوش ہُوئی۔ تب عُمرو نے کہا:

"اے شہزادی، میری جانب سے یہ آئینہ آپ کی نذر ہے۔ قبُول فرمایئے۔

لیکن اِس کی قیمت ایک ہزار اشرفیاں ہے۔ وُہ دِلوایئے۔" اطلس پوش نے ہزار اشرفیاں دے کر آئینہ خرید لیا۔

کھانے سے فارغ ہُوئے تو امیر حمزہ نے کہا۔ "ہمارے دوست خواجہ عُمرو بُہت اچھے گویّے ہیں۔ اب میں اِن سے درخواست کرتا ہُوں کہ وُہ کوئی گانا سُنائیں۔"

عُمرو نے کہا "میں گانے کے لیے تیّار ہُوں لیکن شرط یہ ہے کہ شیوہ وزیرزادی اپنی زبان سے کہیں۔"

عُمرو کی یہ بات سُن کر شیوہ جھلّا کر کہنے لگی ہے۔ "ہنھ۔۔۔۔۔ بڑا آیا گانے والا۔ میری جوتی کو غرض پڑی ہے جو اِس سے گانے کی فرمائش کروں۔ جی چاہے گائے، جی چاہے نہ گائے۔"

عُمرو نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "زبان سے تو یوں کہتی ہو لیکن تمہارا دِل میرا گانا سُننے کو چاہتا ہے؟"

اب تو شیوہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ تیوریاں چڑھا کر بولی۔ ”بھائی حمزہ، اپنے اِس دوست کو سمجھا لو۔ میرے مُنہ نہ لگے ورنہ سات پُشتوں کو دُھن کے رکھ دُوں گی۔ عیّار ہو گا تو اپنے گھر میں۔“

تب حمزہ نے عُمرو کو ڈانٹا کہ یہ کیا بے ہودگی ہے۔ گانا شروع کرو۔ غرض عُمرو نے زنبیل سے داؤد علیہ السّلام کا اِک تارہ نِکالا اور بجانا شروع کیا۔ اُس کی آواز سے ایسا سماں بندھا کہ در و دیوار بھی جھُومنے لگے۔ پھِر عُمرو نے ایک نے نغمہ چھیڑا اور اِس خُوبی سے گایا کہ سب نے بے اختیار تعریف کی لیکن شیوہ وزیر زادی خاموش بیٹھی رہی۔ آخر عُمرو نے اُس سے پُوچھا۔ ”کیوں صاحب، آپ کو میرا گانا پسند آیا؟“

”جی ہاں، پہاڑی کوّے آپ سے اچھّا گا لیتے ہیں۔“ وزیر زادی نے جواب دِیا اور اُس کی یہ بات سُن کر سب نے خُوب قہقہے لگائے۔ عُمرو کھسیانہ ہو گیا اور کہنے لگا:

”آئندہ گانے والے پر ہزار لعنت ہے۔“ یہ کہہ کر اِک تارا بغل میں دبایا اور

جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ حمزہ نے خوشامد سے روکا تب رُکا۔

عُمرو عیّار گیا تو تھا امیر حمزہ کی خبر لینے اور اُنہیں واپس لانے کے لیے، لیکن در بند کام یاب کی دلچسپیوں میں ایسا اُلجھا کہ وہیں کا ہو رہا۔ ایک دِن امیر حمزہ نے اُس سے کہا کہ تُم مُجھے لینے آئے تھے اور خُود یہیں رہ گئے۔ کیا واپس جانے کا ارادہ نہیں؟ عُمرو آنکھ میں آنسو بھر کر بولا:

"بھائی حمزہ، تُم شوق سے جاؤ، لیکن بندہ تو اب یہیں مرنے کی قسم کھا چُکا ہے۔"

"ہیں ہیں؟ یہ کیا بکتے ہو؟" امیر حمزہ نے حیران ہو کر کہا۔

"مریں تمہارے دشمن۔ سچ سچ کہو کیا معاملہ ہے؟"

تب عُمرو نے شرماتے ہُوئے کہا کہ "اگر میری شادی شیوہ وزیر زادی سے نہ تو قیامت تک در بند کام یاب سے نہ جاؤں گا۔" یہ سُن کر حمزہ خُوب ہنسے اور کہنے لگے۔

”احمق، یہ بات پہلے ہی بتا دیتے تو اب تک تمہاری شادی ہو گئی ہوتی۔“

قِصّہ مُختصر امیر حمزہ نے کاؤس رُومی سے بات کی اور کاؤس رُومی نے اپنے وزیر پر زور دِیا۔ آخر وُہ مان گیا اور ایک دِن نہایت دھُوم دھام سے عُمرو عیّار کی شادی وزیر زادی شیوہ سے ہو گئی۔ عُمرو کی یہ دُوسری شادی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ اِس سے پہلے وُہ بختک کی لڑکی سے شادی کر چُکا تھا۔

بہمَن بغاوت کرتا ہے

امیر حمزہ اور عُمرو عیّار کو غائب ہُوئے ایک سال کا عرصہ گُزر گیا۔ اِس دوران میں بہمَن حمزہ کی کُرسی پر بیٹھا لشکر کی نگرانی کرتا رہا اور اُس نے ملکہ مِہر نگار کی عزّت میں کوئی فرق نہ آنے دِیا۔ اُدھر نوشیرواں نے مدائن پہنچ کر شہزادہ قباد شہریار کی تخت نشینی کے انتظامات شروع کر دِیے تھے اور بختک نامُرادیہ انتظام دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اُس نے کئی مرتبہ نوشیرواں کو بہکانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر اُس نے سوچ سوچ کر بہمَن کو ایک خط اِس مضمون کا لِکھا:

"بہمَن کو معلُوم ہو کہ حمزہ اور عُمرو عیّار دونوں ہلاک ہو چُکے ہیں۔ ہمارے پاس اُن کے مرنے کا ثبوت موجود ہے۔ اب تُم پر حمزہ کی اِطاعت فرض نہیں

رہی۔ اِس کے ساتھیوں کو فوراً ہلاک کر دو اور شہزادی مِہر نگار کو اپنے قبضے میں کر لو۔ ہفت کشور کا تخت تمہارا منتظر ہے۔ نوشیرواں بھی تمہارے حق میں ہے کہ تُم سے اچھّا بادشاہ اِس مُلک کو نہ ملے گا؟"

بہمَن نے بختک کا یہ خط پڑھا تو دِل میں شیطان نے ڈیرا جمایا۔ سوچنے لگا کہ موقع اچھّا ہے۔ سلطنت پر قبضہ کر لُوں تو کوئی میرا کُچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر حمزہ زندہ بھی ہوا تو میرا کیا بگاڑ لے گا۔

اُس نے ایک قاصد کو مدائن بھیجا اور بختک کو اپنے پاس بُلوایا۔ پھِر ژوپین مکّار کو اپنی اِس سازش سے آگاہ کیا۔ وُہ بھی خُوش ہُوا۔ کہنے لگا:

"مِہر نگار کو بُلانے کی ایک تدبیر میرے ذہن میں آتی ہے۔ میں کل صبح اُس کے پاس پیغام بھیجوں گا کہ میرے باپ کا چالیسواں ہے۔ آپ شہزادہ شہریار کے ساتھ تشریف لائیں تو اِس غُلام کی بڑی عزّت افزائی ہو۔ مُجھے یقین ہے کہ شہزادی مِہر نگار ضرور آئے گی۔ پھِر اُسے قید کر لینا بھی مُشکل نہ ہو گا۔"

ژوپین کی یہ تدبیر سُن کر بہمَن اور بختک پھڑک گئے۔ اُسی وقت ایک ہوشیار غُلام کو طلب کر کے یہ پیغام ملکہ مِہر نگار کے پاس بھجوا دِیا گیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہم کل ضُرور آئیں گے۔ اگلے روز ملکہ مِہر نگار اور شہزادہ قباد شہریار کی سواری بڑی دھُوم دھام سے آئی اور بہمَن کی قیام گاہ پر پہنچی۔ سب عورتوں نے مِہر نگار کے قدم چُومے اور نہایت عزت سے اپنے ساتھ لے گئیں۔ اُدھر ژوپین، بختک اور بہمَن نے قباد شہریار کا استقبال کیا۔

ملکہ مِہر نگار کنیزوں اور بادشاہ زادیوں میں گھِری بیٹھی تھی۔ یکایک اُس نے سُنا کہ ایک عورت دوسری عورت سے کہہ رہی ہے کہ مِہر نگار بڑے غُرور سے آئی ہے مگر تھوڑی دیر میں اُسے اپنی حیثیت کا پتا چل جائے گا۔

یہ الفاظ سُن کر مِہر نگار کے کان کھڑے ہُوئے۔ سمجھ گئی کہ اُس کے خلاف کوئی سازش کی جا رہی ہے۔ اُسی وقت ایک خواجہ سرا کے ساتھ شہزادہ شہریار کو پیغام بھیجا کہ یہاں آؤ اور مجُھے اپنے ساتھ لے لو۔ خواجہ سرا نے یہ پیغام شہزادے کو دِیا۔ وُہ اُسی وقت آ گیا اور اپنی والدہ مِہر نگار کو گھوڑا گاڑی میں

سوار کرا کے اپنے لشکر میں لے گیا۔ بہمَن، ژوپین اور بختک مُنہ دیکھتے رہ گئے۔ کِسی کو ہمّت نہ ہُوئی کہ اُنہیں روک لیتا۔ ژوپین نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا:

"افسوس کہ شکار ہمارے ہاتھ سے نِکل گیا۔"

بختک نے قہقہہ لگا کر کہا "فکر نہ کرو۔ حمزہ کے یاروں سے لڑنے کا اچھّا بہانہ مِل گیا ہے۔ کہہ دو کہ مِہر نگار اور شہزادہ قباد شہریار نے ہماری سخت توہین کی ہے۔ لٰہذا ہم پر اُن کی اِطاعت فرض نہیں رہی۔"

بہمَن خُود آگ بگولا ہو رہا تھا۔ بختک کی یہ بات سُنی تو چِلّا کر کہنے لگا۔ "کیا غضب ہے کہ مِہر نگار اور اُس کا چھوکرا یوں ہماری مِٹّی پلید کرے۔ اب میں دیکھتا ہُوں کہ یہ کیسے تخت پر بیٹھتا ہے۔ اس کی جگہ نوشیر واں کے بیٹے شہزادہ ہُرمز کو تخت پر بٹھاؤں گا۔"

لِندھور کے کانوں تک بہمَن کی آواز گئی تو وُہ گرج کر بولا: "اے کوہستانی، تُجھے

حمزہ بڑے مرتبے پر بٹھا کر گیا ہے۔ تُجھے ایسا کلمہ مُنہ سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔“

بہمَن نے سپاہیوں کو حُکم دِیا کہ پکڑو اِس وحشی کو۔ چاروں طرف سے بہمَن کے آدمی ننگی تلواریں لیے لِندھور کی طرف بڑھے۔ لِندھور نے اپنے دوستوں کو پُکارا اور پھِر خوف ناک جنگ شروع ہو گئی۔ لِندھور نے اپنا گُرز بہمَن کے سینے پر مارا تو وُہ لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا اور خُون تھوکنے لگا۔ اِس دوران میں لِندھور بھی سخت زخمی ہوا اور عادی پہلوان بھی۔ شہ پال ہندی کے بیٹوں نے بُہت سے باغیوں کو ہلاک کیا۔ استفتا نوش اور صَدَف نوش بے جگری سے لڑے۔ یہاں تک کہ کُشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ مقبل وفادار ملکہ مِہر نگار کی حفاظت کر رہا تھا۔ اُس نے فوراً اپنے لشکر کو لِندھور کی مدد پر بھیجا اور مِہر نگار اور قباد شہریار کو لے کر حلب کی جانب روانہ ہُوا۔

امیر حمزہ کی غیر موجودگی کے باعث اُن کا لشکر جی توڑ کر نہ لڑ سکا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کے علاوہ مشہور پہلوان زخمی ہو چکے تھے اور خطرہ تھا کہ زیادہ دیر

میدان میں رہے تو مارے جائیں گئے۔ چنانچہ لِندھور نے اپنے لشکر کر پیچھے ہٹنے اور حلب کے قلعے تک پہنچنے کا حکم دِیا۔ بہمَن کے لشکر نے تعاقب کیا اور حلب پہنچ کر قلعے کو گھیر لیا لیکن اِس سے پہلے لِندھور اپنے ساتھیوں اور فوج کو لے کر قلعے میں داخل ہو چُکا تھا۔

کئی دِن گُزر گئے۔ بہمَن اور ژوپین کے لشکر نے حلب کے قلعے کا مُحاصرہ کیے رکھا۔ اِس اِثنا میں لِندھور، عادی اور استفتانوش وغیرہ کے زخم بھر گئے اور وُہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ کِسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر بہمَن، ژوپین اور بختک نے بغاوت کیوں کی۔ کیا حمزہ کا خُوف اُن کے دِلوں سے نِکل گیا؟

آخر ایک دِن لِندھور اپنا گُرز سنبھال کر قلعے سے باہر آیا اور بہمَن کو آواز دی۔

بہمَن فوراً اپنے خیمے سے نکلا اور سامنے آیا۔ لِندھور نے کہا۔ ”اے کوہستانی، یہ تو بتا کہ اِس بغاوت پر تُو کیوں کر آمادہ ہُوا۔“

بہمَن نے قہقہہ لگایا اور جواب میں کہنے لگا۔ ”تُو اِسے بغاوت کہتا ہے؟ یہ بغاوت ہر گز نہیں ہے بلکہ یہ میرا حق ہے جو میں نے وصول کیا۔ اے لِندھور غور سے سُن اور یاد رکھ کہ تیرا آقا حمزہ اور اُس کے یار وفادار عُمرو عیّار دونوں مارے گئے۔ اُن کا وُجود اِس دُنیا میں نہیں رہا۔ لٰہذا مُجھ پر اُن کی اِطاعت فرض نہیں رہی۔ اب میں چاہتا ہُوں کہ تُم لوگ مِہر نگار اور اُس کے لڑکوں کو میرے حوالے کرو اور خود جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ میں نے تُمہاری جان بخشی کی۔“

بہمَن کی یہ تقریر سُن کر لِندھور پر سکتہ طاری ہوا۔ لیکن یہ اُسے یقین نہ تھا کہ حمزہ اور عُمرو عیّار مارے جا چُکے ہیں۔ وُہ سمجھ گیا کہ بہمَن کو کِسی نے غلط خبر دی ہے۔ اُس نے للکار کر کہا:

”اے کوہستانی، معلُوم ہوتا ہے تُجھے کُتّے کی طرح مارے جانے کا شوق ہے۔ حمزہ اور عُمرو کے ہلاک ہونے کی خبر بالکُل غلط ہیں۔ خُدا نے چاہا تو وُہ ابھی بُہت دِن جئیں گے۔ تُجھ کو یہ خبر اگر بختک نے دی ہے تو یاد رکھو کہ وُہ تیرے

ساتھ دشمنی کر رہا ہے۔"

بہمَن نے اپنا گُرز ہوا میں اُچھالتے ہُوئے کہا۔ "اے لِندھور، زیادہ بَک بَک کرنے کی حاجت نہیں۔ جان سلامت لے کر واپس چلا جا۔ اِسی میں تیرا بھلا ہے۔ ورنہ تیری تِکّا بوٹی کر ڈالوں گا۔"

اب تو لِندھور میں ضبط کی تاب نہ رہی۔ ایک ہیبت ناک للکار کے ساتھ آگے بڑھا اور اپنے بارہ من وزنی گُرز سے بہمَن پر حملہ کیا۔ بہمَن بھی تجربے کار تھا۔ اس نے اپنی ڈھال پر لِندھور کا حملہ روکا لیکن پسینے پسینے ہو گیا۔ کئی گھنٹوں تک دونوں پہلوانوں میں جنگ ہوتی رہی۔ آخر لِندھور کے زخم کھُل گئے اور خُون کے فوّارے چھٹنے لگے۔ بہمَن کا بھی یہی حال تھا۔ تب دونوں اپنے اپنے لشکر میں گئے۔

دُوسرے روز صُبح سویرے بہمَن کی فوج میں لڑائی کا نقّارہ بجا۔ عادی پہلوان نے بھی طبل بجوایا۔ بہمَن پھر میدان میں آیا۔ اِتنے میں شمالی کی جانب سے ایک لشکر نمودار ہوا۔ بہمَن کے آدمی خبر لینے گئے اور اُنھوں نے واپس آکر

بتایا کہ ژوپین کا بیٹا عکّہ اپنے باپ کی مدد کو آتا ہے۔ اُس خبر سے بہمَن اور ژوپین کی فوج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہُرمز بن نوشیرواں اور بختک عکّہ کے استقبال کو گئے اور اپنے ساتھ لائے۔ عکّہ نے تمام حالات سُنے اور اُسی وقت میدان میں جانے کو تیّار ہُوا۔ اُدھر سے اُس کے مقابلے کو لِندھور کا بیٹا فرہاد نِکلا۔ عکّہ نے اُسے حقارت کی نظر سے دیکھا اور کہا:

"اے لڑکے، اپنے باپ لِندھور کو بھیج۔ تُو مُجھ سے کیا لڑے گا۔۔۔"

"یہی بات میں تُجھ سے کہتا ہُوں۔ اپنے بُزدل باپ ژوپین کو میدان میں بھیج۔ ورنہ تیرے گلے میں رسّی ڈال کر کُتّے کے پِلّے کی طرح گھسیٹتا ہُوا لے جاؤں گا۔"

عکّہ کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ سات مَن کا گُرز ہاتھ میں تول کر آگے بڑھا اور پوری قُوّت سے فرہاد پر مارا لیکن فرہاد نے گینڈے کی کھال سے بنی ہُوئی ڈھال پر یہ وار روکا۔ پھِر اطمینان سے بولا:

”اے ژوپین کے لڑکے، خبردار ہو کہ اب میں وار کرتا ہُوں۔۔۔“

یہ کہہ کر اپنا گُرز گھُمایا اور اِس زور سے حملہ کیا کہ اگر عکّہ اپنی فولادی ڈھال آگے نہ کر دیتا تو اُس کی کھوپڑی کے ہزار ٹکڑے ہو جاتے۔ پھر بھی ڈھال سے ٹکرا کر آگ کا ایک عظیم شعلہ پیدا ہُوا جو آسمان تک گیا۔ عکّہ کے روئیں روئیں سے پسینہ پھُوٹ نِکلا اور اُس کا دِل تھر تھرائے گیا۔

اِس کے بعد دونوں میں خُون ریز جنگ شروع ہُوئی۔ یہاں تک کہ دونوں زخمی ہُوئے اور سورج غروب ہوتے ہی اپنے اپنے لشکر میں چلے گئے۔ ژوپین نے اپنے بیٹے سے پُوچھا کہ فرہاد کو کیسا پایا؟ اُس نے کہا کہ وُہ جواں مرد پہلوان ہے اور اُس کی رگوں میں لِندھور کا خُون دوڑتا ہے۔

اِن پہلوانوں کو فی الحال یہیں چھُوڑ کر ہم اب آپ کو امیر حمزہ اور عُمرو عیّار کے بارے میں کُچھ بتاتے ہیں کہ اُن پر کیا بیتی۔ ایک رات امیر حمزہ نے بڑا ڈراؤنا خواب دیکھا اور جب آنکھ کھُلی تو دیکھا کہ عُمرو بھی اپنے بستر پر بیٹھا ہے۔ حمزہ نے اُس سے کہا:

”ابھی ابھی میں نے خواب میں دیکھا کہ حلب کے قلعے میں ساری فوج جمع ہے اور تمام پہلوان زخمی ہو چکے ہیں۔ باہر دشمن کی فرج پڑاؤ ڈالے ہُوئے ہے۔“

”بالکل یہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے؟“ عُمرو چلّا اُٹھا۔

”نہ جانے ہمارے دوستوں پر کیا آفت آئی ہے۔ ہمیں جلد از جلد وہاں پہنچنا چاہیے۔ مُجھے خدشہ ہے کہ بختک بد معاش اور ژوپین مکّار نے کوئی گُل کِھلایا ہے۔“

صُبح ہوتے ہی امیر حمزہ نے کاؤس رُومی سے کہا کہ ہمیں رُخصت ہونے کی اِجازت دی جائے۔ اگر اِس دوران میں مرزُوق فرنگی نے حملہ کیا تو ہم آپ کی مدد کو فوراً آئیں گے۔ جب شہر والوں نے سُنا کہ امیر حمزہ جا رہے ہیں تو وُہ رونے لگے۔ امیر نے سب کو دِلاسا دِیا کہ جلد واپس آئیں گے۔

قِصّہ مُختصر امیر حمزہ اور عُمرو حلب کی جانب روانہ ہُوئے۔ قُندس دِیوانہ بھی اُن کے ساتھ ساتھ چلا۔ دوسری منزل پر ایک سبزہ زار نظر آیا۔ امیر حمزہ کو یہ

مقام بُہت دلچسپ اور پُر فضا معلوم ہُوا۔ اُسی جگہ رُکے۔ ہر طرف سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے جنّت کی کھڑکی کھول دی گئی ہے۔ ایک درخت کے نیچے امیر حمزہ اور عُمرو عیّار لیٹ کر بے خبر سو گئے۔ اور قندس دِیوانہ ٹہلتا ہُوا ایک جانب چلا۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور وہیں سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک شیر ببّر آیا اور قندس دِیوانے کو چیر پھاڑ کر اپنا پیٹ بھرا اور چلا گیا۔

بُہت دیر بعد امیر حمزہ کی آنکھ کھُلی۔ دیکھا کہ عُمرو ابھی تک پڑا سوتا ہے۔ اُسے جگا کر پُوچھا کہ قندس دِیوانہ کہاں ہے۔ عُمرو نے جواب دِیا، ابھی ٹہلتا ہُوا اُس پہاڑ پر گیا ہے۔ دیر تک انتظار کرنے کے بعد بھی دِیوانہ نہ آیا تو امیر حمزہ فکر مند ہُوئے۔ عُمرو کو ساتھ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر گئے۔ دیکھا کہ دِیوانے کی لاش پڑی ہے اور شیر نے جی بھر کر گوشت کھایا ہے۔ امیر حمزہ کو بے حد صدمہ ہوا۔ لاش کے بچے کھچے ٹکڑوں کو ایک جگہ دفن کیا اور وہاں سے رُخصت ہُوئے۔

چار منزلیں طے کرنے کے بعد ایک عظیم الشان قلعہ نظر آیا۔ قلعے کے حاکم کا نام ربیع تھا۔ دروازے کے محافظوں نے اُسے خبر کی کہ دو آدمی آئے ہیں اور قلعے میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اُس نے کہا آنے دِیا جائے۔ امیر حمزہ اور عُمرو عیّار قلعے میں داخل ہُوئے اور ربیع کے پاس پہنچے تو اُس نے پُوچھا:

"کیوں صاحب، آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟"

"میرا نام حمزہ ہے۔ نوشیرواں کا داماد ہُوں اور یہ میرا دوست عُمرو ہے۔"

یہ سُن کر ربیع اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ آگے بڑھ کر امیر حمزہ کے ہاتھوں کو بوسہ دِیا۔ پھِر اُن دونوں کو اپنی نشست پر لے جا کر بٹھایا اور کہنے لگا:

"میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ آپ تشریف لائے۔ چند روز یہاں قیام فرمایئے اور مُجھ کو خدمت کا موقع دیجیے۔" امیر حمزہ نے اُس کی درخواست منظور کی۔ اگلے روز ربیع کہنے گا:

"جنابِ والا، اِس قلعے سے پانچ منزل پر ایک اور قلعہ ہے۔ اُس قلعے کا حاکم

صنوبر نام کا ایک شخص ہے۔ ہمیشہ سے مُجھ کو پریشان کرتا اور ستاتا ہے۔ مُجھ میں اُس سے لڑنے کی ہمّت نہیں۔ آپ اُسے سمجھائیں کہ اِن حرکتوں سے باز آجائے۔"

امیر عُمرو نے اُسی وقت ربیع اور عُمرو عیّار کو ساتھ لیا اور اُس قلعے کی جانب روانہ ہُوئے۔ نزدیک پہنچے تو صنوبر کو ہرکاروں نے خبر دی کہ ربیع اپنے ساتھ دو آدمیوں کو لِیے آتا ہے۔ یہ سُن کر صنوبر حیران ہوا اور خُود قلعے سے باہر نِکل کر آیا۔ جُونہی قریب آیا، اُس نے امیر حمزہ کو بھی پہچان لیا۔ کیوں کہ ایک مرتبہ نوشیرواں کے دربار میں اُسے جانے کا اِتّفاق ہوا تھا اور وہاں امیر حمزہ کو دیکھا تھا۔ اُسی وقت دوڑ کر امیر حمزہ کے قدموں پر گِرا اور کہنے لگا:

"اے امیر، آپ نے یہاں تک کِس لیے زحمت کی؟ مُجھے حُکم دیتے، میں خُود حاضر ہو جاتا۔"

"اے صنوبر یہ تیرا پڑوسی ربیع تیری شکایت کرتا ہے کہ تُو اِسے چین نہیں لینے دیتا۔ پڑوسیوں کو تنگ کرنا کِسی مذہب میں بھی جائز نہیں۔"

یہ سُن کر صنوبر شرمندہ ہوا۔ تینوں کو نہایت احترام سے قلعے میں لے گیا اور تین روز تک خُوب خاطر تواضع کی۔ چوتھے روز جب امیر حمزہ وہاں سے چلنے کی تیّاریاں کر رہے تھے، صنوبر نے عاجزانہ انداز میں کہا:

”اے امیر، ایک روز کے لیے اور ٹھہر جائیے۔ آج قلعے کے لوگوں نے آپ کی دعوت کی ہے۔“

تب مجبوراً امیر حمزہ رُک گئے۔ شام کو بڑی دھوم کی دعوت ہُوئی لیکن صنوبر مکّار نے یہ چالاکی کی کہ تمام کھانوں میں بے ہوشی کی دوا مِلا دی۔ امیر حمزہ، عُمرو عیّار اور ربیع یہ کھانا کھاتے ہی بے ہوش ہو کر گِر پڑے۔ صنوبر نے فوراً اپنے غُلاموں کو حکم دِیا کہ اُن کو زنجیروں میں جکڑ دِیا جائے۔ پھِر اُس نے اعلان کیا کہ اگلے روز اِن تینوں قیدیوں کو قلعے کے میدان میں قتل کیا جائے گا۔

امیر حمزہ، عُمرو عیّار اور ربیع کو بارہ گھنٹے بعد ہوش آیا تو اپنے آپ کو زنجیروں میں گرفتار پایا۔ آزاد ہونے کی بہتیری کوشش کی مگر زنجیریں کِسی طرح نہ

ٹوٹیں۔ آخر صبر شکر کر کے خاموش ہو رہے۔ آدھی رات کے بعد صنوبر کا وزیر قاموس اُس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

"جہاں پناہ، حمزہ بڑی قُوّت اور اثر والا آدمی ہے۔ اگر آپ نے اُسے قتل کر دِیا تو اُس کے دوست اِس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ نوشیر واں آج کل اِس کا بڑا دشمن ہو رہا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ حمزہ کے قتل کا الزام آپ اپنے اوپر نہ لیں بلکہ اُسے نوشیر واں کے حوالے کر دیں۔ اُس کا جو جی چاہے حمزہ کے ساتھ سلوک کرے۔"

صنوبر کی کھوپڑی میں وزیر قاموس کی یہ بات سما گئی۔ اُس نے سورج نکلنے سے کُچھ پہلے امیر حمزہ اور عُمرو عیّار کو اُونٹوں پر سوار کرا کے مدائن کی جانب روانہ کیا اور ربیع کو قتل کرا دِیا۔

اُدھر بہمَن اور ژوپین کی فوجوں نے حلب کے قلعہ ہشت حِصار کا مُحاصرہ کر رکھا تھا اور مقبل وفادار کی کمان میں امیر حمزہ کی فوج اور تمام پہلوان جان کی بازی لگائے ہُوئے تھے۔ نوشیر واں کو بھی بہمَن کے بغاوت کرنے کی خبر پہنچ

چکی تھی اور وُہ اِس خبر سے بے حد خُوش تھا۔ اُس نے بہمَن کو پیغام دِیا کہ فوراً قلعہ ہشت حصار فتح کرو اور اُس کا انعام یہ ہے کہ میں خُود مِہر نگار کی شادی تُم سے کروں گا لیکن روز بروز ژوپین اور بہمَن کی فوج عادی، لِندھور، استفتا نوش وغیرہ کے ہاتھوں کٹ کٹ کر کم ہو رہی تھی اور یہ خطرہ پیدا ہو رہا تھا کہ سپاہیوں کے ہلاک ہونے کی رفتار یہی رہی تو چند روز کے اندر اندر مُحاصرہ اُٹھا لینا پڑے گا۔ بہمَن نے نوشیرواں کو کہا کہ فوراً کمک بھیجو ورنہ ہم قلعے پر قبضہ نہ کر سکیں گے۔ نوشیرواں بھلا کہاں سے کمک بھیجتا۔ وُہ تو صِرف نام کا شہنشاہ رہ گیا تھا۔ اب اِتّفاق ایسا ہوا کہ اُنہی دِنوں خُراساں کا بادشاہ مِرزبان اُدھر آیا۔ وُہ بھی مِہر نگار سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ نوشیرواں نے اُس سے کہا:

”اگر تُم اپنی فوج کو لے کر جاؤ اور قلعہ ہشت حصار پر قبضہ کر کے مِہر نگار کو مقبل وفادار کے پنجے سے آزاد کراؤ تو میں اُس کی شادی تُم سے کروں گا۔“

یہ سُن کر مِرزبان خُراسانی خُوشی سے پھُولا نہ سمایا اور منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا اپنے لشکر کو لے کر قلعہ ہشت حِصار کے قریب جا پہنچا۔ یہاں اُس کی

ملاقات بہمَن، ژوپین اور بختک سے ہُوئی۔ یہ لوگ مِرزبان خُراسانی کے آنے سے خوش ہُوئے۔ لیکن جب بہمَن کو پتا چلا کہ وُہ مِہر نگار سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اُسے مِرزبان کی صُورت سے نفرت ہو گئی۔

صنوبر نے امیر حمزہ اور عُمرو کو اپنے دو سرداروں سرخان اور فغفُور کے ساتھ مدائن روانہ کیا تھا اور دس ہزار سپاہی بھی امیر حمزہ کی نگرانی کے لیے روانہ کیے تھے۔ سرخان کے ساتھ تین ہزار اور فغفُور کے ساتھ سات ہزار سپاہی تھے۔ عُمرو عیّار سرخان کی قید میں اور امیر حمزہ فغفُور کی قید میں تھے۔

ایک دو منزلیں طے کرنے کے بعد سرخان کا لشکر آگے نِکل گیا اور ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ رات کے پچھلے پہر عُمرو عیّار نے اپنی دردناک آواز میں گانا شروع کیا اور ایسے شعر پڑھے کہ سرخان اُنہیں سُن کر بے چین ہو گیا۔ غُلاموں سے پُوچھا کہ یہ کون گا رہا ہے؟ اُنھوں نے بتایا کہ یہ عُمرو عیّار ہے۔ سرخان نے حکم دِیا کہ اُسے ہمارے حضور میں پیش کرو۔ غُلام عُمرو کو سرخان کے سامنے لے گئے۔ اُس نے پُوچھا۔ ”یہ گانا تُو ہی گا رہا تھا؟“

"جی سرکار، میں ہی یہ گُستاخی کر رہا تھا۔" عُمرو نے دانت نِکال کر جواب دِیا۔

"بُہت خُوب، یہاں ہمارے سامنے گاؤ۔"

"سرکار، گانے کے ساتھ ساتھ ساز بھی بجاؤں تو آپ بے حد خُوش ہُوں گے۔"

سرخان نے حکم دِیا کہ عُمرو کے ہاتھ کھول دیے جائیں۔ غُلاموں نے اُس کے ہاتھ کھول دیے۔ عُمرو نے اپنی زنبیل میں ہاتھ ڈال کر داؤد علیہ السّلام کا اِک تارا نِکالا اور بجانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں اُس ساز کی آواز سے سرخان اور اُس کے غُلام بے ہوش ہو گئے۔ عُمرو نے ایک غُلام کی جیب سے بیڑیوں کی چابی نِکال کر اپنے پیر بھی آزاد کر لیے۔ پھر خنجر لے کر اُن سب کی گردنیں کاٹیں اور وہاں سے نِکل گیا۔

صُبح سویرے فوج کے افسروں اور سپاہیوں نے دیکھا کہ سرخان کے خیمے میں خُون ہی خُون جما ہوا ہے۔ سرخان سمیت اُس کے کئی غُلاموں کی گردنیں کٹی

ہُوئی ہیں اور عُمرو عیّار غائب ہے۔ یہ دیکھ کر اُن کے ہوش اُڑے۔ سمجھ گئے کہ یہ کارستانی عُمرو کی ہے۔ بھاگے بھاگے فغفُور کے پاس گئے اور تمام روداد بیان کی۔ فغفُور کے بدن میں کپکپی طاری ہُوئی۔ کہنے لگا:

"عُمرو عیّار سے میں بھی پناہ مانگتا ہُوں۔ آدمی کیا ہے آفت کا پرکالہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں بھی کوئی عیّاری کرے۔ اس لیے ضروری ہے کہ چوبیس گھنٹے امیر حمزہ کی نگرانی کی جائے اور اُن پر پہرا بڑھا دِیا جائے؟"

دُوسرے روز فغفُور کا لشکر مدائن کی طرف چلا تو عُمرو عیّار ایک سقّے کے روپ میں آیا۔ ٹھنڈے پانی کی مشک اُس کے کندھے پر تھی اور ہاتھ میں پانی کے دو کٹورے تھے۔ وُہ سپاہیوں کو پانی پلاتا ہُوا اُس خیمے کی جانب بڑھا جِس میں امیر حمزہ قید کیے گئے تھے۔

اچانک کِسی نے کہا۔ "یہ سقّہ کہاں سے آیا؟ اِس سے پہلے کِسی نے اِسے لشکر کے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ ضرور یہ عُمرو عیّار ہے جو سقّے کے بھیس میں آیا ہے۔" یہ سُنتے ہی عُمرو وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کہ بھاگا۔

اگلے روز رات کو ایک سوداگر کی شکل میں آیا مگر لوگوں نے پہچان لیا اور اُسے گھیرنے کی کوشش کی عُمرو نے گھبرا کر تلوار کھینچی اور لڑنے لگا۔ اندھیری رات تھی۔ خُوب تلوار چلی۔ فغفُور کے بُہت سے سپاہیوں کو عُمرو نے قتل کیا۔ اور جب یہ دیکھا کہ سپاہی گرفتار کر ہی لیں گے تو وہاں سے نِکل بھاگا۔ کِسی کے ہاتھ نہ آیا۔ صحرا میں کہیں جا چھپا اور سوچنے لگا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ کوئی عیّاری کام نہیں آتی۔ پھِر خیال آیا کہ ضُرور اِس میں خُدا کی کوئی مصلحت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میں امیر حمزہ کو رہا کرانے کا خیال چھوڑ دُوں۔ سیدھا حلب کے قلعۂ ہشت حِصار کی جانب جاؤں اور دیکھوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔

یہ سوچ کر عُمرو عیّار نے امیر حمزہ کو خُدا کے حوالے کیا اور خُود حلب کی جانب روانہ ہُوا۔ اُدھر فغفُور امیر حمزہ کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر مدائن لے آنے میں کام یاب ہو گیا۔ وُہ نوشیرواں کے دربار میں پہنچا اور تمام حال بیان کر کے کہا کہ حمزہ کو پکڑ کر لایا ہُوں۔ یہ سُن کر نوشیرواں خُوشی سے اُچھل پڑا۔۔۔ بے اختیار فغفُور کو گلے لگا کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دِیا اور کہنے لگا:

”اے نوجوان، آفرین ہے تُجھ پر کہ تُونے حمزہ کو گرفتار کیا اور میرے پاس لایا۔“

اِتّفاق کی بات کہ اُسی روز بختک نامراد بھی نوشیرواں کے دربار میں آیا تھا۔ وُہ بھی یہ خبر سُن کر بے حد خُوش ہوا اور کہنے لگا۔ ”جہاں پناہ، اِس غُلام کی رائے میں حمزہ کو جلد از جلد قتل کر دینا چاہیے۔ سارا فتنہ فساد اِسی کی وجہ سے ہُوا ہے۔ اب حمزہ کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں۔“

”اے بختک، تُو سچ کہتا ہے۔ حمزہ کو ہمارے حضُور میں پیش کیا جائے۔“

اُسی وقت امیر حمزہ کو دربار میں لایا گیا۔ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہونے کے باوجود حمزہ کا سینہ تنا ہُوا تھا اور چہرے پر خُوف کی کوئی علامت نظر نہ آتی تھی۔ نوشیرواں کا خیال تھا کہ حمزہ سر جھکا کر خوشامد کرے گا اور جان بخشی چاہے گا، لیکن اُنہوں نے نہایت حقارت سے نوشیرواں کی طرف دیکھا اور مُسکرا کر کہا:

”اے نوشیر واں، اِس وقت میں تیرے قبضے میں ہُوں تُو جو بھی چاہے میرے ساتھ سلوک کرے۔ لیکن یاد رکھ کہ جب تک خُدا میرا محافظ ہے تُو میرا کُچھ نہیں بِگاڑ سکتا۔“

یہ سُن کر نوشیر واں طیش میں آیا اور دانت پیس کر کہنے لگا: ”اے حمزہ، تُو نے مُجھ کو ایسے ایسے صدمے دِیے ہیں کہ میرا کلیجہ داغ داغ ہو گیا ہے۔ اب تُجھے زندہ چھوڑنا حماقت ہے۔ کل تُجھے اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔“

اب امیر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہا ”یہ موت اور زندگی خُدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر میری زندگی ابھی باقی ہے تو تیری کیا مجال کہ مُجھے قتل کر سکے۔“

”اِس بد بخت کو میری نگاہوں کے سامنے سے لے جاؤ اور قید میں ڈال دو۔“ نوشیر واں نے چلّا کر پہرے داروں کو حکم دِیا۔

پہرے دار امیر حمزہ کر گھسیٹے ہُوئے لے گئے۔ اُس کے بعد بختک نے منادی کرنے والوں کو طلب کیا اور اُن سے کہا کہ شہر میں ڈونڈی پٹوا دو کہ کل مُنہ

اندھیرے شہنشاہ نوشیر واں اپنے ہاتھ سے حمزہ کو قتل کریں گے۔ سب لوگ مدائن کے قلعے میں آئیں اور یہ تماشا دیکھیں۔

ڈونڈی پیٹنے والوں نے شہر بھر میں یہ اعلان کر دِیا۔ جس نے سُنا وہی رنجیدہ ہُوا اور کہے گا، نوشیر واں کو کیا ہو گیا ہے کہ حمزہ جیسے بہادر جوان کو قتل کرنے کے درپے ہے۔ حمزہ نے تو بادشاہ پر بڑے شاہ احسان کیے ہیں۔ اِس کے علاوہ وُہ نوشیر واں کا داماد بھی تو ہے۔ کیا بادشاہ اپنی بیٹی کو بیوہ کرنے پر تُل گیا ہے۔ غرض جتنے مُنہ اتنی ہی باتیں۔ کوئی شخص بھی اِس اعلان سے خوش نہیں تھا۔ لیکن کِسی کو دَم مارنے کی جرأت بھی نہ تھی۔

اگلے روز سُورج نکلنے سے پہلے ہزاروں لوگ مدائن کے قلعے میں جمع ہو گئے۔ جا بجا سنگینوں کا پہرا تھا۔ بازاروں اور گلیوں میں سنّاٹا ہو گیا۔ عورتیں مُنہ چھُپا چھُپا کر رو رہی تھیں اور لوگوں کے چہرے خوف سے اُترتے ہُوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد نوشیر واں کی سواری نہایت دھُوم دھام سے نِکلی اور قتل گاہ کی طرف چلی۔ پھِر امیر حمزہ کو زبردست پہرے میں وہاں لایا گیا۔ نوشیر واں

کے دائیں بائیں بختک اور خواجہ بزُرجمہر تھے اور اُن کے پیچھے تمام درباری، امیر،وزیر اور فوجی سردار گردنیں جھُکائے چلے آرہے تھے۔

نوشیرواں نے بُلند آواز سے کہا: "اے حمزہ، اگر تُو اب بھی میرے قدموں میں سر رکھ دے اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگے تو میں تجھے قتل کرنے کے بجائے عُمر قید کی سزا دینا پسند کروں گا۔"

امیر حمزہ نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور نفرت سے زمین پر تھُوک دِیا۔ یہ دیکھ کر بختک نے بادشاہ کے کان میں کہا: "حضور حمزہ کی معافی اور رعایت کا حق دار نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ اُس نے رعایا کے سامنے زمین پر تھُوک کر آپ کی شان میں کیا گُستاخی کی ہے۔ اِسے جلد قتل کیجیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ رعایا بغاوت کر دے۔"

نوشیرواں نے اُسی وقت چمکتی ہُوئی تلوار نِکالی اور آہستہ آہستہ حمزہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اُدھر امیر حمزہ نے دِل میں خُدا کو یاد کیا اور فریاد کی کہ الٰہی اِس ظالم سے تو ہی مجھے بچا سکتا ہے۔ حمزہ کی فریاد خُدا نے سُنی اور قبُول کی۔ عین اُسی

وقت کوہ قاف میں عذرا پری نے بلّور کے گولے میں دیکھا کہ امیر حمزہ مدائن کے قلعے میں زنجیروں میں جکڑے کھڑے ہیں اور نوشیر واں ننگی تلوار ہاتھ میں لیے قتل کرنے کی نیّت سے اُن کے قریب پہنچ چُکا ہے۔

یہ دیکھ کر عذرا پری کے ہوش اُڑ گئے۔ دِل میں کہنے لگی، حمزہ میرا مُحسن ہے۔ اُس کی بدولت کوہ قاف کی سلطنت مُجھے ملی ہے۔ افسوس کہ ایسا شخص میری نظروں کے سامنے یوں بے کسی کی موت مارا جائے۔ ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا۔ عذرا پری نے اُسی وقت تالی بجائی۔ تیز رفتار پریوں اور دیوؤں کا ایک گروہ حاضر ہُوا۔ عذرا نے اُنہیں حُکم دِیا کہ پلک جھپکتے میں مدائن پہنچو۔ وہاں نوشیر واں امیر حمزہ کو قتل کرنے کے ارادے سے تلوار کھینچ چکا ہے۔ فوراً حمزہ کو اُٹھاؤ اور حلب کے قلعہ ہشت حِصار میں پہنچاؤ۔

نوشیر واں تلوار کا وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ آسمان پر ایک گرج دار آواز سُنائی دی۔ لاکھوں آنکھیں اُوپر اُٹھ گئیں۔ خُود نوشیر واں کا ہاتھ بھی جہاں تھا وہیں رُک گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ آسمان سے پریوں اور دیوؤں کا ایک غول تیزی سے

نیچے آ رہا ہے اور اُنہیں آتا دیکھ کر لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وُہ چیختے چلّاتے بھاگ نکلے۔

پریاں اور دیو نیچے آئے اور اُنہوں نے امیر حمزہ کو زنجیروں سمیت اپنے بازوؤں پر اُٹھالیا اور ایک دم اُوپر اُٹھ کر آسمان میں گُم ہو گئے۔ نوشیر واں اور بختک مُنہ دیکھتے رہ گئے۔ لیکن خواجہ بزُرجمہر کا دِل خُوشی سے جھُومنے لگا۔

پریوں اور دیوؤں نے بڑے ادب سے امیر حمزہ کو حلب کے قلعہ ہشت حِصار میں اُتارا اور سلام کر کے رُخصت ہُوئے۔ حمزہ نے اُن کے ذریعے عذرا پری کو سلام کہلوایا اور اُس کی اِس مدد کا شکریہ ادا کیا۔

مقبل وفادار کے لشکر نے جُونہی امیر حمزہ کو دیکھا اُس میں خُوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب نے آن آن کر اُن کے قدموں پر سر رکھا۔ امیر حمزہ نے ہر ایک کو گلے لگایا اور دیر تک آنسو بہاتے رہے۔

جادُوگر آتے ہیں

امیر حمزہ کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر نوشیر واں اور بختک نے سخت پیچ و تاب کھایا اور سوچنے لگے کہ یہ تو بڑی بدنامی کی بات ہے کہ حمزہ یُوں قابُو میں آکر صاف نِکل جائے۔ اُدھر قلعہ ہشت حِصار پر بہمَن اور مِرزبان خُراسانی کی فوج میں امیر حمزہ کی آمد سے دہشت پھیل چُکی تھی اور اُنہیں یقین ہو گیا تھا کہ قلعہ ہشت حِصار پر قبضہ کرنا تو در کنار، وُہ اپنی جانیں ہی بچا کر لے جائیں تو غنیمت ہے۔

ایک روز نوشیر واں نے بختک کو طلب کیا اور کہا۔ ”اے بختک، کوئی تدبیر کر کہ حمزہ کا قصّہ پاک ہو۔ اب تو میری راتوں کی نیندیں اور دِن کا چین حرام ہو گیا ہے۔“

بختک نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ ”عالم پناہ، یہ غُلام ہر وقت اِسی اُدھیڑ بُن میں رہتا ہے کہ حمزہ سے کیوں کر انتقام لیا جائے۔ آخر سوچ سوچ کر ایک تدبیر ذہن میں آئی ہے۔ اِجازت ہو تو عرض کروں۔“

”فوراً کہو، کیا تدبیر ہے؟“

”حضور، آپ شداد جادُوگر کو ایک خط لکھیے اور اُس سے کہیے کہ اپنے چند جادُوگر یہاں بھیجے۔ دراصل حمزہ کی مدد پر کوہ قاف کی پریاں اور دیو ہیں۔ اُن کی طاقت کے سامنے ہماری کُچھ حیثیت نہیں ہے۔ جادُوگر ہی اُن سے دو دو ہاتھ کر سکتے ہیں؟“

یہ تدبیر سُن کر نوشیرواں پھڑک گیا۔ اپنی انگوٹھی اُتار کر بختک کو عطا کی اور کہا۔ ”ابھی ہماری جانب سے شدّاد جادُوگر کو خط لکھو اور سارے حالات بیان کر کے کہو کہ وُہ آئے یا ایسے جادُوگر روانہ کرے جو اپنے فن میں ماہر ہُوں اور حمزہ کو آناً فاناً روئے زمین سے نیست و نابود کر دیں۔“

کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں دُنیا میں شدّاد سے بڑا جادُوگر کوئی اور نہ تھا۔ وُہ ملک کاشمیر کے ایک عالی شان قلعے میں رہتا تھا اور ایک ہزار شاگرد ہر وقت اُس کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اُن میں سے ہر شاگرد اپنے فن میں استاد کا درجہ رکھتا تھا۔

بختک نے نوشیر واں کے حکم سے شدّاد جادُوگر کے نام خط لکھا اور کرگس ساسانی عیّار کو بُلا کر کہا کہ جلد مُلک کاشمیر پہنچو اور یہ خط شدّاد کو دو۔ کرگس ساسانی اُسی وقت سفر پر روانہ ہُوا اور دِن رات منزلیں طے کرتا ہُوا ایک روز قلعہ کاشمیر میں داخل ہو گیا۔

اُدھر شدّاد جادُوگر اپنے جادُو کے زور سے پہلے ہی معلُوم کر چُکا تھا کہ نوشیر واں کا ایلچی آتا ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے دو شاگردوں کو اُس کے استقبال کے لیے قلعے کے دروازے پر بِٹھا رکھا تھا۔ اُن میں سے ایک کا نام ہِلال اور دُوسرے کا مہلال تھا۔ یہ دونوں شاگرد ایلچی کو لے کہ شدّاد کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ اُس نے نوشیر واں کا خط پڑھا اور ایک خوف ناک

قہقہہ لگا کر کہا:

"ہمیں پہلے ہی معلُوم تھا کہ نوشیر واں کو کبھی ہماری ضُرورت پڑے گی اور اب وُہ وقت آن پہنچا ہے لیکن ہمیں یہ بھی معلُوم ہے کہ امیر حمزہ اور اُس کے ساتھی عُمرو عیّار پر ہمارا جادُو نہیں چل سکتا۔ تاہم نوشیر واں کو مایُوس کرنا ٹھیک نہیں۔"

یہ کہہ کر شدّاد نے تالی بجائی۔ اُسی وقت زمین پھٹی اور اُس میں سے نیلے رنگ کا ایک عجیب و غریب بونا نمودار ہوا۔ اُس کی آنکھیں سُرخ تھیں اور لمبی مونچھوں کے سِرے زمین کو چھُو رہے تھے۔ بونے نے شدّاد کو جھک کر سلام کیا اور کہا:

"میرے آقا کیا حکم ہے؟"

"جلد عنقارُوت اور مارُوت کو حاضر کرو۔"

"بہت بہتر میرے آقا۔" بونے نے سر جھُکا کر کہا اور شُعلہ بن کر غائب ہو

گیا۔

چند لمحے بعد زمین دوبارہ شَق ہوئی اور اِس مرتبہ وہی بونا اپنے ساتھ دو عجیب و غریب آدمیوں کے لیے نمودار ہُوا۔ اِن آدمیوں کی آنکھیں پیشانی پر لگی تھیں اور بڑے بڑے نوکیلے دانت مُنہ سے باہر نکلے ہُوئے تھے۔ زبانیں اور ہونٹ لال لال تھے۔ جیسے کِسی کا خُون پی کر آرہے ہُوں۔ اُنہوں نے شدّاد کو سجدہ کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑے رہے۔

"آہا! تُم دونوں آگئے۔۔۔۔۔" شدّاد نے خُوش ہو کر کہا۔ "میں تمہیں نوشیرواں کی خدمت میں بھیجتا ہُوں۔ جاؤ اور جو وُہ کہے اُس پر عمل کرو۔"

تب کرگس ساسانی اِن دونوں جادُوگروں کو اپنے ساتھ لے کر مدائن روانہ ہُوا۔ قلعہ کاشمیر سے باہر نکلتے ہی دونوں جادُوگروں نے کرگس کے ہاتھ پکڑ لیے اور کوئی منتر پڑھا۔ پلک جھپکتے میں یہ تینوں مدائن پہنچ چُکے تھے۔ کرگس نے اُسی وقت نوشیرواں کو خبر کی اور عنقارُوت اور مارُوت جادُوگروں کے آنے کی اِطّلاع دی۔ بختک نے دھُوم دھام سے اُن کا استقبال کیا اور

نوشیر واں کے پاس لے گیا۔ نوشیر واں نے جادُوگروں سے سارا حال کہا۔ جادُوگر غور سے سُنتے رہے۔ پھر کہنے لگے۔

”بادشاہ سلامت، ہم کوشش کریں گے کہ امیر حمزہ پر قابو پالیں اور قلعہ ہشت حِصار کو قبضے میں لائیں۔ اِس کے لیے ضُروری ہے کہ قلعے کے دائیں جانب جو پہاڑ ہے۔ ہم اُس پر قیام کریں۔ آپ ہر روز دس مَن کھانا ہمیں بلا ناغہ ہمیں بھجوایئے اور ہم پندرہ روز تک قلعہ ہشت حِصار پر برف باری کریں گے اور یُوں دشمن کا ایک شخص بھی زندہ نہ بچے گا۔“

نوشیر واں یہ بات سُن کر بے حد خُوش ہُوا۔ جادُوگروں کو خلعت اور انعام دینے کے بعد وعدہ کیا کہ دس من اعلیٰ درجے کا کھانا ہر روز پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جایا کرے گا۔ تب وُہ جادُوگر بادشاہ سے رُخصت ہو کر اُس پہاڑ پر آئے۔ اُس کی چوٹی اِتنی اُونچی تھی کہ آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی تھی۔ یہاں اُنھوں نے جادُو کے زور سے ایک چشمہ پیدا کیا پھِر اُس پانی میں خُوب نہائے اور نہانے کے بعد چشمے کے قریب ہی چُونے سے ایک بڑا دائرہ بنایا۔ اُس دائرے

کے اندر بیٹھ کر کافور، لونگ اور لوبان سُلگایا۔ پھر جادُو کے زور سے ایک کالی بلّی پیدا کر کے اُس کا گلا کاٹا اور تھوڑا سا خُون اپنے اِرد گرد چھڑک لیا۔ اِس کاروائی سے فارغ ہو کر دونوں منتر پڑھنے میں مصرُوف ہو گئے۔

بہت دیر تک منتر پڑھنے کے بعد اُنہوں نے اپنی جیبوں میں سے رُوئی نِکالی اور بلّی کے خُون میں تَر کر کر کے آسمان کی طرف پھینکنی شروع کی۔ روئی کے گالے جُونہی فضا میں جاتے، بادل بن کر تیرنے لگتے اور قلعے ہشت حِصار کی طرف بڑھتے۔ آخر اِن بادلوں نے قلعے کو چاروں طرف سے ڈھانپ لیا۔ پھِر اِن میں سے رُوئی کے گالوں کی طرح نرم نرم برف زمین پر گرنے لگی۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ تین دِن اور تین راتیں ایسی برف پڑی کہ قلعے کے اندر اور باہر ساٹھ ساٹھ فُٹ اُونچے برف کے چبوترے بن گئے اور برف کا ایک عظیم انبار قلعے کے چاروں طرف جمع ہو گیا۔ جِس کو ہٹانا یا اُس میں سے راستہ بنانا ممکن نہ رہا۔ قلعے کے باہر پانی کی جُو خندق تھی اُس میں بھی پانی جم گیا۔

امیر حمزہ اور اُن کے دوست اِس ناگہانی آفت پر سخت پریشان ہُوئے۔ حلب کے بڑے بوڑھوں نے بتایا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ اِتنی شدید برف باری ہوئی ہے۔ تب امیر حمزہ نے اس معاملے پر غور کیا اور دیکھا بھالا۔ اُنہیں محسوس ہوا کہ جِن بادلوں سے برف گرتی ہے، وُہ صرف قلعے کے اُوپر ہی ہیں۔ اِس سے آگے آسمان کھُلا اور صاف ہے۔ وُہ فوراً سمجھ گئے کہ جادُو کا کرشمہ ہے۔ اُس وقت عُمرو عیّار کو طلب کر کے یہ سارا ماجرا کہا۔ عُمرو بھی حیران ہُوا۔ آخر کہنے لگا:

"فکر نہ کرو، میں کِسی نہ کِسی طرح اِس بھید کو پانے کی کوشش کرتا ہُوں۔"

رات کی گہری تاریکی میں عُمرو قلعے سے نِکلا۔ دیکھا کہ ہر طرف برف کے اُونچے اُونچے انبار لگے ہیں۔ ان پر پَیر رکھا تو اندر دھنسنے لگا۔ آخر ایک تدبیر ذہن میں آئی۔ اُس نے طلسم کے ذریعے اپنا قد ستّر فُٹ اُونچا بنایا اور برف کی رُکاوٹ آسانی سے عُبور کر کے ایک کھُلی جگہ میں نِکل آیا۔ اُس وقت اگر کوئی شخص عُمرو کو دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ یہ ضُرور کوئی جِن یا دِیو ہے۔

قلعے سے باہر آکر عُمرو نے اپنے جسم اور ٹانگوں پر سے برف جھاڑی۔ پھِر اپنے اصلی قد پر واپس آیا اور تیزی سے شہر مدائن کی جانب دوڑنے لگا۔ اُس کا خیال تھا کہ یہ سب شرارت نوشیرواں اور بختک کی ہے۔ صبح سویرے مدائن پہنچا اور ایک بُڈّھے لکڑہارے کے بھیس میں شہر کے اندر گھُومنے پھِرنے لگا۔ پھِرتے پھِرتے بختک کے مکان کی طرف جا نِکلا۔ دروازے پر ایک حبشی غُلام کھڑا پہرا دے رہا تھا۔ عُمرو نے اُس سے پُوچھا:

"کیوں بھائی، لکڑیاں خریدو گے؟ آج کل سردی زیادہ ہے۔ برف پَڑ رہی ہے۔"

یہ سُن کر اُس غُلام نے قہقہہ مارا اور کہنے لگا۔ "او بُڈّھے، تجھے کیا معلُوم کہ یہ ماجرا کیا ہے اور بے موسم کی برف کیسے پڑ رہی ہے۔ یہ راز تو مُجھے معلُوم ہے؟"

"بے موسم کی برف؟" عُمرو نے حیرت سے کہا۔ "بھلا یہ کیا بات ہوئی۔ کبھی بے موسم بھی برف باری ہُوئی ہے؟"

اِس بات پر حبشی غُلام ناراض ہوا اور کہا۔ ”اِس کا مطلب ہے میں جھُوٹ بول رہا ہُوں۔ ارے بے وقوف، قلعہ ہشت حِصار پر یہ برف باری جادُو کے زور سے ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ ہمارے آقا بختک نے نوشیر واں کی اِجازت سے شدّاد جادُو گر کو خط لکھا تھا کہ امیر حمزہ کو شکست دینے کے لیے کُچھ جادُو ٹونا کرو۔ تُم کو معلُوم ہے کہ شدّاد بُہت بڑا جادُو گر ہے۔ اُس نے فوراً اپنے دو شاگردوں کو یہاں روانہ کیا۔ ایک کا نام عنقارُوت اور دُوسرے کو مارُوت کہتے ہیں۔ اب یہ دونوں جادُو گر قلعہ ہشت حِصار کے قریب ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے منتر پڑھ رہے ہیں۔ اُنھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر امیر حمزہ کی جانب سے اُس کا کوئی توڑ پیدا نہ کیا گیا تو دس دِن کے اندر اندر قلعہ برف میں بالکل غائب ہو جائے گا اور اُس کے اندر رہنے والا ایک شخص بھی زندہ نہ بچے گا۔“

تب عُمرو نے زمین سے مُٹھّی بھر خاک اُٹھا کر حبشی کے مُنہ پر ماری اور کہا۔ ”خُدا تُجھے اور تیرے آقا کو غارت کرے۔ دیکھ بچّہ میں اُسے کیسا مزا چکھاتا ہُوں۔“

بُڈّھے لکڑہارے کی اِس حرکت پر حبشی غُلام کو بے حد غُصّہ آیا۔ دانت پیس کر آگے بڑھا اور کہنے لگا:

"او بُڈّھے، تُجھے اِتنی جرأت کیوں کر ہوئی کہ بختک وزیر کے غُلام پر خاک پھینکے۔ دیکھ ابھی تیری ہڈّیاں، پسلیاں توڑتا ہُوں۔"

عُمرو نے زنبیل سے سبز کمبل نِکال کر اوڑھ لیا اور حبشی غُلام کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ اب تو غُلام کے ہوش اُڑے۔ اِدھر اُدھر دِیوانوں کی طرح تلاش کرنے لگا۔ کِسی نے بختک کو خبر پہنچائی۔ اُس نے غُلام کو طلب کیا اور سارا قِصّہ سُنا۔ پھِر دِل میں کہنے لگا یہ بُہت بُرا ہُوا۔ معلُوم ہوتا ہے لکڑہارے کے بھیس میں عُمرو عیّار اِدھر آیا۔ اب وُہ فوراً کوئی شرارت کرے گا۔ بختک نے اُسی وقت گھوڑا کسوایا اور نوشیرواں کے محل کی طرف چل دِیا۔ وُہ جلد سے جلد بادشاہ کو یہ وحشت ناک خبر سُنانا چاہتا تھا کہ عُمرو عیّار مدائن میں موجود ہے۔

بختک تو اِس فِکر میں تھا اور اُدھر عُمرو نے یہ بھی معلُوم کر لیا تھا کہ عنقارُوت

اور مارُوت جادُوگروں کے لیے روانہ دس مَن کھانا بھیجے جانے کا حکم دِیا گیا ہے۔ کئی سوار اور پیادے لذیذ کھانوں کی دیگیں گاڑیوں پہ لدوا رہے ہیں۔ تب عُمرو وہاں سے رفُوچکّر ہُوا اور قلعہ ہشت حِصار کو جانے والے راستے پر ایک جگہ چھُپ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے دیکھا کہ سوار کھانوں کی دیگیں لِیے چلے آتے ہیں۔ یکایک اُنہوں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچی اور اُتر گئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ راستے پر نہایت خوب صُورت کپڑے میں لپٹی ہُوئی کوئی چیز پڑی ہے۔ وُہ سمجھے ضُرور کوئی قیمتی چیز ہے۔ اُسے کھول کر دیکھا تو ایک خُوشبودار روغنی روٹی نِکلی۔ سبھی نے اُس کا ایک ایک ٹکڑا توڑ کر کھایا۔۔۔ روٹی بے حد مزے دار تھی۔ یکایک سب بے ہوش ہو کر گِرے۔ دراصل عُمرو عیّار نے اِس روٹی میں بے ہوشی کی دوا مِلا دی تھی۔

اِن سواروں کے گِرتے ہی عُمرو آیا اور خنجر سے سب کو قتل کیا، پھِر اپنی صُورت خچّربان کی سی بنائی اور گاڑی ہنکاتا ہوا اُس پہاڑ کے قریب پہنچا جِس کی چوٹی پر عنقارُوت اور مارُوت جادُوگر بیٹھے حلب کے قلعے پر جادُو کے زور سے

برف باری کر رہے تھے۔

اُنہوں نے دیکھا کہ کھانا آگیا ہے تو جلدی سے نیچے اُترے۔ اِس اثنا میں عُمرو نے اُن کے کھانے اور پینے کے پانی میں بھی بے ہوشی کی دوا مِلا دی تھی۔ جادُوگروں نے حیرت سے عُمرو کو دیکھا اور کہا:

"آج تُجھے بختک نے اکیلے بھیج دِیا؟ سپاہی اور پیادے کہاں ہیں؟"

"جناب، بات یہ ہے کہ آج تو آپ کو کھانا پہنچ گیا۔ کل کا انتظام خُود کیجئے گا۔ کُچھ خبر بھی ہے کہ مدائن میں عُمرو عیّار آن پہنچا ہے اور اُس نے بختک کے حواس گُم کر دیے ہیں۔" خچّربان نے جواب دِیا۔

"آہا۔۔ ہم نے عُمرو کا نام سُنا ہے اور اُسے دیکھنے کی بڑی تمنّا ہے۔" جادُوگروں نے کہا اور کھانے پر پِل پڑے۔ عُمرو حیرت سے دیکھتا رہا۔ کیوں کہ وُہ یوں کھا رہے تھے جیسے آدمی نہیں دیو ہُوں۔ عُمرو اُن کے بے ہوش ہونے کا انتظار کرتا رہا مگر بے سُود۔ بے ہوشی کی دوا نے اُن پر کوئی اثر نہ کیا۔

اب تو عُمرو سٹپٹایا اور سوچنے لگا کہ اِن خبیثوں سے کیوں کر نپٹا جائے۔ آخر ایک تدبیر ذہن میں آئی۔ ہاتھ باندھ کر کہنے لگا:

"جناب آپ نے بڑے بڑے گویّوں کا گانا سُنا ہو گا، لیکن اِجازت ہو تو میں بھی گانا سُناؤں اور ایک ساز بجاؤں۔"

"ہاں ہاں، ضُرور۔ اِس میں پُوچھنے کی کیا بات ہے۔" جادُوگروں نے خُوش ہو کر کہا۔ یہ سُنتے ہی عُمرو نے اپنی زنبیل میں سے اِک تارا نِکالا اور اسے بجا کر گانے لگا۔ جادُوگر مست ہو کر جھُومنے لگے۔ پھِر اُنھوں نے اِس مستی کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔ عُمرو نے موقع پا کر اپنا خنجر نِکالا اور پھُرتی سے اُن دونوں کے سر قلم کر دیے۔

جوں ہی جادُوگروں کے سَر کٹے اور اُن کی گردنوں سے خُون کا فوّارہ نِکلا، آسمان پر زبردست آندھی نمودار ہُوئی۔ زمین ہلنے لگی اور ایسی تاریکی چھا گئی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ خُدا خُدا کر کے آندھی ختم ہُوئی اور اندھیرا دُور ہُوا۔ تب عُمرو نے دیکھا، قلعہ ہشت حِصار کے اُوپر سے برف کے بادل

غائب ہو چکے ہیں اور قلعے کے چاروں طرف برف کے جو بڑے بڑے انبار لگے تھے، اُن کا بھی کوئی نام و نشان باقی نہیں رہا۔ یہ دیکھ کر عُمرو نے سجدے میں گِر کر خُدا کا شکر ادا کیا اور خُوش خُوش قلعے کی جانب چلا۔

بہمَن، ژوپین اور مرزبان خُراسانی کی فوجیں جادُوگروں کی آمد کے ساتھ ہی قلعہ ہشت حِصار کا مُحاصرہ چھُوڑ کر مدائن میں واپس آگئی تھیں۔ لیکن جب جادُوگر عُمرو کے ہاتھوں مارے گئے تو بہمَن، ژوپین اور مرزبان خُراسانی کے اوسان خطا ہُوئے۔ نوشیرواں اور بختک کو بھی اپنی موت صاف دِکھائی دے رہی تھی۔ اب اِس کے سوا کوئی تدبیر نہ تھی کہ شدّاد جادُوگر سے دوبارہ مدد طلب کی جائے۔ چنانچہ ایک اور خط شدّاد کو لِکھا گیا۔

اِدھر امیر حمزہ نے لشکرِ جرّار ساتھ لیا اور مدائن پر دھاوا بول دِیا۔ بہمَن، ژوپین، مِرزبان خُراسانی نے شکست کھائی اور مُلک سیستان کی جانب بھاگے۔ نوشیرواں اور بختک بھی اُن کے ساتھ تھے۔ امیر حمزہ نے مدائن پر قبضہ کر لیا۔ جب ملک سیستان کی جانب بڑھے اور قلعۂ زنگار کے گِرد گھیرا ڈال دِیا۔

جاسوسوں نے خبر دی کہ تینوں بھگوڑے دشمن اور نوشیرواں اِسی قلعے میں چھُپے ہُوئے ہیں۔

یہ قلعہ بے حد مضبوط تھا اور اِس کی فصیل اِتنی اُونچی تھی کہ کمند پھینکنا بھی مُمکن نہ تھا۔ قلعے کے اندر کھانے پینے کا ذخیرہ اتنا تھا کہ اگر دشمن پانچ سال بھی مُحاصرہ کیے رکھے تب بھی قلعے والوں کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہو۔ دراصل قلعے کے اندر ہی اُنھوں نے فصلیں بھی بو رکھی تھیں اور جابجا کُنویں کھُدے ہُوئے تھے۔

بُہت دِن امیر حمزہ قلعے کا مُحاصرہ کیے رہے لیکن کوئی صُورت اُسے فتح کرنے کی نہ نِکلی۔ آخر عُمرو عیّار نے کمرِ ہمّت باندھی اور قلعے کے چاروں طرف چکّر لگا کر دیکھا کہ شاید اندر جانے کا کوئی راستہ مِل جائے۔ ایک جگہ کیا دیکھتا ہے کہ دیوار میں اتنا بڑا سُوراخ ہے کہ کوئی شخص چاہے تو پیٹ کے بَل لیٹ کر اُس میں گھُس سکتا ہے۔ عُمرو اِس میں داخل ہُوا اور رینگ رینگ کر آگے بڑھنے لگا۔ آخر کار اُس نے اپنے آپ کو قلعے کے اندر پایا۔ کیا دیکھتا ہے کہ چاروں

طرف ہزار ہا خیمے اور پُختہ مکان بنے ہُوئے ہیں اور گلی کوچوں میں اِس قدر بھیڑ ہے کہ کھوّے سے کھوّا چِھل رہا ہے۔ عُمرو نے دِل میں کہا یا الٰہی قلعہ کیا ہے، عالی شان شہر ہے۔

عُمرو گھُومتے گھُومتے ایک خُوب صُورت محل کے سامنے پہنچا جس کی بُرجیاں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ عُمرو نے دربان سے پُوچھا کہ یہ محل کِس کا ہے؟ اُس نے جواب دِیا، یہاں ژوپین اور اُس کا بھائی بیزن ٹھہرے ہُوئے ہیں۔ اِس سے پہلے یہ محل مِرزبان خُراسانی کے قبضے میں تھا۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص محل میں سے باہر نِکلا اور عُمرو کو سر سے پیر تک دیکھ کر بولا:

"معلُوم ہوتا ہے تُم اِس قلعے میں نئے نئے آئے ہو۔ کیا کام کرتے ہو؟"

"جناب میرا نام خواجہ گُم سُم ہے۔" عُمرو نے جواب دِیا۔ "اور میں باورچی ہُوں۔ ہر قسم کے کھانے پکا سکتا ہُوں۔ نوکری کی تلاش میں ہُوں۔"

یہ سُن کر وُہ بہت خُوش ہُوا اور عُمرو کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ ’’بھئی مزا آ گیا۔ خُوب ملاقات ہُوئی۔ میرا نام خواجہ سرُون ہے۔ ژوبین اور بیژن کے باورچی خانے کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں ہے۔ مُجھے اچھے باورچیوں کی تلاش رہتی ہے آؤ امتحان دو کہ تُم کیسا پکاتے ہو؟‘‘

عُمرو عیّار خواجہ سرُون خان ساماں کے ساتھ چلا اور ایک بڑی عمارت میں داخل ہُوا۔ وہاں بُہت سے باورچی دیگیں پکا رہے تھے۔ کِسی میں قورمہ تھا، کِسی میں پُلاؤ اور کِسی میں بریانی۔ سینکڑوں طرح کے سالن اور ہر قسم کی روٹیاں پک رہی تھیں۔ خواجہ سُرون نے عُمرو کو بھی کھانے پکانے کو کُچھ سامان دِیا اور کہا:

’’بھُنا ہُوا گوشت پکا کر دکھاؤ۔‘‘

’’بُہت بہتر۔ ابھی لیجیے،‘‘ عُمرو نے کہا۔

خواجہ سرُون وہاں سے چلا گیا تو عُمرو نے اُلٹا سیدھا کھانا پکانا شروع کیا اور اُس

میں دوائے بے ہوشی اچھی طرح مِلائی۔ دو گھنٹے بعد خواجہ سرُون وہاں آیا اور عُمرو سے پُوچھا ”کیوں میاں گُم سُم سالن تیّار ہے؟“

”ہاں جناب بالکل تیّار ہے۔ آپ ہاتھ مُنہ دھو کر اپنے کمرے میں تشریف رکھیے۔ میں وہیں لے کر آتا ہُوں۔“

خواجہ سرُون عُمرو کی اِس مُستعدی پر بے حد خُوش ہُوا۔ دِل میں سوچنے لگا کہ آدمی اچھّا مِل گیا ہے۔ تھوڑی تنخواہ اور روٹی کپڑے پر نوکری کر لے گا۔

اتنے میں عُمرو پلیٹ میں سالن لیے آیا۔ خواجہ سرُون نے جُونہی ایک لقمہ بنا کر مُنہ میں رکھا، بے ہوشی کی دوا نے فوراً اثر کیا۔ اُسی وقت پیٹ کے بل بے ہوش ہو کر گِر گیا۔ عُمرو نے جھٹ اُسے رسّی سے باندھ کر زنبیل میں ڈالا، جِس راہ سے آیا تھا، اُسی راہ سے واپس اپنے لشکر میں آیا اور اطمینان سے بستر پر لیٹ کر سو گیا۔

اگلے روز صُبح آنکھ کھُلی تو عُمرو امیر حمزہ کے پاس پہنچا۔ اُنہوں نے پُوچھا کل

کہاں غائب رہے؟ ہم بُہت فکر مند تھے۔ عُمرو نے قہقہہ لگا کر جواب دِیا۔
"میں ایک خاص کام سے گیا تھا۔"

یہ کہہ کر زنبیل میں ہاتھ ڈالا اور خواجہ سرُون کو نِکال کر امیر حمزہ کے سامنے پٹخ دِیا۔ وُہ دُہائی دینے لگا کہ اے خواجہ گُم سُم خُدا تُجھے غارت کرے۔ تُو نے کِس دُشمنی پر میرے ساتھ یہ ظلم کیا۔ امیر حمزہ حیرت سے کبھی اُسے دیکھتے، کبھی عُمرو کو۔ آخر اُنہوں نے ناراض ہو کر عُمرو سے کہا:

"یہ کیا حرکت ہے؟ اِس بے چارے کو کہاں سے پکڑ لائے؟ ابھی اِس کی رسیاں کھولو۔"

غُلاموں نے جھٹ پٹ خواجہ سرُون کو آزاد کیا۔ تب عُمرو نے قلعہ زنگار میں داخل ہونے کا سارا قِصّہ بیان کیا۔ جب خواجہ سرُون خان سامان کو معلُوم ہوا کہ وُہ امیر حمزہ کے سامنے ہے تو جھٹ اُن کے قدموں پر گِرا اور کہنے لگا:

"میں حُضور کو قلعے میں داخل ہونے کا ایک خفیہ راستہ بتا سکتا ہُوں۔ آپ اُس

راستے اپنی فوج لے کر قلعے میں جائیے اور قبضہ کر لیجیے لیکن بے گناہ لوگوں کو قتل نہ کیجئے گا۔ اب آپ میرے ساتھ چلیں۔

امیر حمزہ نے اُسی وقت اپنے لشکر کو تیّار رہنے کا حکم دِیا اور جانبازوں کے کئی دستے لے کر خواجہ سرُون کے ساتھ چلے۔ کئی میل چلنے کے بعد خان سامان ایک بوسیدہ سی عمارت کے سامنے رُکا۔ یہ کوئی مقبرہ تھا جِس کا گنبد سیاہ پڑ چُکا تھا اور چاروں طرف جھاڑ جھنکاڑ کثرت سے اُگا ہوا تھا۔

مقبرے کے بوسیدہ دروازے پر لوہے کا ایک بڑا سا قُفل لگا تھا جِسے زنگ آہستہ آہستہ ہڑپ کر رہا تھا۔ خواجہ سرُون خان ساماں نے کہا۔ "اِس قُفل کو توڑ کر مقبرے میں داخل ہو جائیں۔"

امیر حمزہ نے قُفل توڑا اور گُنبد کے اندر داخل ہُوئے۔ دیکھا کہ سنگِ مَرمَر کی بڑی بڑی تین قبریں برابر برابر بنی ہُوئی ہیں۔ خان ساماں نے کہا۔ اِن قبروں کو اُکھاڑیے۔ امیر حمزہ کہنے لگے۔ "قبریں اُکھاڑنا گناہ ہے۔ نہ معلُوم کِن لوگوں کی قبریں ہیں۔ میں یہ کام نہ کروں گا۔"

یہ سُن کر خان ساماں ہنسا اور کہا۔ ”حضور، یقین کیجیے کہ یہ قبریں اصلی نہیں ہیں۔ دھوکا دینے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ انہی کے نیچے قلعے کو جانے والے راستے چھُپے ہُوئے ہیں۔“

تب امیر حمزہ نے ایک ایک کر کے اُن قبروں کے پتھّر اُکھاڑے اور دیکھا کہ اُن کے پیچھے دروازے بنے ہُوئے ہیں۔ اِن دروازوں کو کھولا گیا تو اچھی خاصی وسیع سُرنگیں نظر آئیں جِن میں گھُوڑے بھی دوڑ سکتے تھے۔ یہ دیکھ کر امیر حمزہ خُوش ہُوئے اور چند سپاہیوں کو اپنے لشکر میں روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ کئی ہزار سوار بھی آجائیں۔

قصّہ مُختصر اِن سُرنگوں میں داخل ہو کر امیر حمزہ کی فوج قلعہ زنگار کے قریب پہنچی اور جب سُورج غروب ہوئے کئی گھنٹے گُزر گئے تب اُنھوں نے زور دار حملہ کیا۔ اُس وقت دُشمن کی فوج کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ امیر حمزہ یُوں اپنے لشکر کو لے کر قلعے میں گھُس آئیں گے۔ افراتفری اور سنسنی پھیل گئی تو ژوپین اور اُس کا بھائی بیزن بھاگ نکلے اور نہ معلُوم کہاں غائب ہو گئے کہ

بے حد تلاش کے باوجود اُن کا پتا نہ چلا۔

بہمَن اور اُس کی فوج نے کُچھ دیر مقابلہ کیا مگر اُس نے بھی راہِ فرار اختیار کی۔ مرزبان خُراسانی لڑتے لڑتے مارا گیا اور اُس کی فوج نے ہتھیار ڈال دیے اور یوں تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد قلعہ زنگار امیر حمزہ کے قبضے میں آ گیا۔ معلُوم ہُوا کہ نوشیرواں اور بختک بھی بہمَن کے ساتھ بھاگ نکلنے میں کام یاب ہو گئے ہیں۔ جِس محل میں ژوپین اور اُس کا بھائی بیزن ٹھہرے ہُوئے تھے وہاں ایک تہہ خانے میں سے بُہت بڑا خزانہ برآمد ہُوا۔ سونے چاندی کی اینٹیں اور ہیرے جواہر وغیرہ اِتنی تعداد میں مِلے کہ اُن کا شمار کرنا مُشکل تھا۔ امیر حمزہ نے عادی پہلوان کو اس خزانے کے پاس بٹھایا اور حفاظت کرنے کا حکم دِیا۔ عُمرو عیّار نے اِتنی دولت نظروں کے سامنے پڑی دیکھی تو مُنہ میں پانی بھر آیا۔ دِل میں کہنے لگا:

"غضب خُدا کا۔ قلعہ زنگار فتح کرنے میں کِس قدر محنت میں نے کی ہے لیکن خزانے میں سے ایک چیز بھی حمزہ نے مُجھے عطا نہیں کی، بلکہ عادی کو مُحافظ بنا

دِیا ہے۔ اچھا، یہ بھی کیا یاد کرے گا کہ کِسی سے پالا پڑا تھا؟"

آدھی رات ہُوئی تو عُمرو سبز کمبل اُوڑھ کر تہہ خانے میں آیا اور آدھا خزانہ اپنی زنبیل میں ڈال کر لے گیا۔ عادی پہلوان کو پتا بھی نہ چلا کہ کون آیا اور کون گیا۔ صُبح جب امیر حمزہ عُمرو کو لے کر خزانے کا معائنہ کرنے آئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ عادی پڑا خرّاٹے لیتا ہے اور آدھا خزانہ غائب ہے۔ اُنہوں نے لات مار کر عادی کو جگایا۔ وُہ بدحواس ہو کر اُٹھا۔ دیکھا سامنے امیر حمزہ کھڑے ہیں۔

"کیا بات ہے حمزہ بھائی، صُبح صُبح کیوں کر آپ نے تکلیف فرمائی؟" عادی نے کہا۔

"میں نے تمھیں خزانے کی حفاظت کا حکم دِیا تھا لیکن تُم نے اچھّی حفاظت کی۔ چور آئے اور آدھا خزانہ لے گئے۔"

اب تو عادی کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ بڑبڑا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

واقعی خزانہ کم ہو گیا تھا۔ سر پیٹ کر کہنے لگا۔ ”آپ سچ کہتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ میں ساری رات جاگتا رہا، چور آیا کسی وقت؟ اور اتنا وزنی خزانہ اُٹھا لے جانا ایک دو آدمیوں کے بس کی بات نہیں ہے۔“

یکایک اُسے کُچھ خیال آیا اور اُس نے عُمرو کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”عُمرو بھائی، یہ ضرور تمہاری کارستانی ہے۔ سچ سچ بتادو کہ خزانہ تُم ہی لے گئے ہو۔“

”اے پہلوان، ذرا مُنہ سنبھال کر بات کرنا۔“ عُمرو نے آنکھیں لال پیلی کر کے کہا۔ ”کیا ہمیں چور اُچکّا سمجھا ہے۔ ہم ایسے خزانے پر تھوکتے بھی نہیں۔“

بے چارہ عادی پہلوان مُنہ کھول کر رہ گیا اور کوئی جواب نہ بن پڑا لیکن امیر حمزہ سمجھ گئے کہ ضُرور عُمرو کی شرارت ہے۔ ہنس کر کہنے لگے۔ ”بھائی عُمرو، عادی نے تمہیں چور تو نہیں کہا تُم خواہ مخواہ اُس پر ناراض ہو رہے ہو۔ ممکن ہے تمہیں چور کا کُچھ پتا نِشان معلُوم ہو۔“

”مُجھے معلوم تو ہے مگر اِس شرط پر بتاؤں گا کہ عادی پہلوان ایک ہزار

اشرفیاں سونے کی مُجھے دے۔"

عادی نے اُسی وقت ایک ہزار اشرفیاں عُمرو کو دیں۔ پھِر اُس نے زنبیل میں سے خزانہ نکال کر اُس کے حوالے کیا۔ یہ دیکھ کر عادی بڑبڑانے لگا: "اِسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زودی۔ ایک تو مال چُرایا اور اُوپر سے ہزار اشرفیاں بھی اینٹھ لیں۔"

اِدھر تو یہ قصّہ ہو رہا تھا اور اُدھر بہمَن سیدھا اپنے ملک کوہستان پہنچا۔ ژوپین اور بیزن کوہِ کتُور پر گئے جہاں پُرانے وقتوں کا ایک قلعہ بنا ہوا تھا جسے تنگ حِصار کہتے تھے۔ اُس قلعے پر ملکہ طُور بانو کی حکومت تھی۔ طُور بانو نے ژوپین اور اُس کے بھائی کو اپنے قلعے میں پناہ دی اور کہا کہ یہاں اطمینان سے رہیں اور کوئی خُوف نہ کریں۔

ایک دِن شہزادہ قباد شہریار شکار کھیلنے کے لیے جنگل میں نِکلا اور راستہ بھُول کر مُلک کوہستان کی جانب جا نِکلا۔ وہاں اِتّفاق سے بہمَن کا دوسرا بیٹا بھی شکار کھیلنے آیا ہوا تھا۔ اُس کا نام اژدھا تھا۔ اُس نے قباد شہریار کو دیکھا اور کہا:

”اے نوجوان، تُو کون ہے اور اِدھر کِس ارادے سے آیا ہے؟ تُجھے معلُوم نہیں کہ اِس جنگل پر ہمارا قبضہ ہے۔“

”قباد شہریار نے کہا میرا نام قباد ہے اور میں امیر حمزہ کا بیٹا ہُوں۔ تیری کیا مجال کہ مُجھے اِس جنگل میں شکار کھیلنے سے روکے۔“

یہ سُن کر اژدھا بن بہمَن کو طیش آیا اور قباد پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا، مگر قباد نے مارے طمانچوں کے اُس کا مُنہ لال کر دِیا۔ اژدھا بھاگ اُٹھا اور اپنے باپ بہمَن کے پاس جا کر ڈینگیں مارنے لگا کہ امیر حمزہ کا بیٹا قباد آج ہمارے علاقے میں آیا تھا۔ میں نے مار مار کر اُسے بھگا دِیا۔ یہ سُن کر بہمَن خُوش ہوا اور بیٹے کو شاباش دی۔ اُس کے دربار میں ایک شخص ایسا تھا جو امیر حمزہ کو پسند کرتا تھا اور بہمَن کی غدّاری سے خُوب واقف تھا۔ اُس نے جب سُنا کہ اژدھا نے شہزادہ قباد شہریار کو مارا ہے، تو اُسے بڑا رنج ہُوا اور اُس نے یہ خبر امیر حمزہ تک پہنچائی۔ اُنہیں بھی بے حد صدمہ ہُوا اور دِل ہی دِل میں بیٹے سے رنجیدہ ہو گئے۔

کئی روز بعد شہزادہ قباد اُن کے سلام کو آیا تو امیر حمزہ نے مُنہ پھیر لیا اور کہنے لگے:

"آیندہ مُجھے اپنی شکل نہ دِکھانا۔ میں ایک بُزدِل بیٹے کا باپ نہیں کہلانا چاہتا۔ اژدھا نے تمہیں مارا اور تُم چُپ چاپ مار کھا کر چلے آئے۔ دُور ہو جاؤ میری نظروں سے۔"

شہزادہ قباد نے یہ سُنا تو سخت پریشان ہوا۔ صدمے اور خوف سے چہرہ زرد ہو گیا۔ عادی پہلوان نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے ہٹا کر دُور لے گیا لیکن شہزادے کا حال بُرا تھا۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں تھے۔ اِسی حالت میں وُہ اپنے خیمے میں گیا اور خنجر نِکال کر اپنے کلیجے میں گھونپنا چاہتا تھا کہ اچانک عُمرو عیّار خیمے میں داخل ہُوا۔ اُس نے لپک کر خنجر شہزادے کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"مُجھے مَر جانے دیجئے چچا جان۔" شہزادے نے روتے ہُوئے کہا۔ "آج ابّا جان نے مُجھے بُزدِل کہا ہے اور بُزدِل کو مَر ہی جانا چاہیے۔"

”اے شہزادے، بُزدلی وُہ نہ تھی بلکہ یہ ہے کہ تُم اپنے ہاتھوں اپنی ہی جان لینے کے درپے ہو۔ مُجھے بتاؤ ماجرا کیا ہے۔“

غرض جب قباد شہریار کو عُمرو نے خوب تسلّی دی تو اُس نے سارا واقعہ سُنایا۔ عُمرو نے کہا:

”اِتنی سی بات ہے۔ اِس میں غم کھانے کی کیا ضرورت تھی۔ تُم اگر بہادُر ہو تو ابھی جاؤ اور بہمَن کے لڑکے کا سر کاٹ لاؤ۔ پھِر دیکھوں تمہیں کون بزدل کہتا ہے۔“

شہزادہ قباد شہریار یہ سُن کر اُٹھا۔ بدن پر ہتھیار باندھے اور گھوڑے پر سوار ہو کر کوہستان کی جانب چلا۔ بہمَن اپنا دربار سجائے بیٹھا تھا۔ ناگہاں باہر شور سُنائی دِیا۔ پھِر ایک پہرے دار خُون میں نہایا ہُوا اندر آیا اور فرہاد کی عالی جاہ ایک نوجوان دربار میں زبردستی آنا چاہتا ہے۔ ہم نے روکا تو تلوار نِکال کر لڑنے لگا۔ بہمَن یہ سُن کر حیران ہوا اور کہنے لگا:

"اگر کِسی کی موت اُسے ہمارے پاس کھینچ لائی ہے تو روکتے کیوں ہو، آنے دو۔"

اِتنے میں قباد شہریار ہاتھ میں ننگی تلوار لیے دربار میں داخل ہُوا۔ بہمَن نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "اے بد بخت، تُو کون ہے اور کِس ارادے سے آیا ہے؟"

"میرا نام قباد شہریار ہے اور میں امیر حمزہ کا بیٹا ہُوں۔ میں تیرے بیٹے اژدھے کا سر قلم کرنے آیا ہُوں۔"

یہ سُن کر بہمَن نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ "تُجھے تو میرے بیٹے نے طمانچے مار مار کر بھگا دِیا تھا اب تُو ذلیل ہونے کو پھِر چلا آیا؟"

"اے بہمَن، زیادہ بڑ نہ ہانک ورنہ سزا پائے گا۔" قباد نے گرج کر کہا۔ "تیرا بیٹا اژدھا قریب ہی بیٹھا ہے۔ اُس سے کہہ کہ اگر جرأت ہے تو میرے سامنے آئے۔"

بہمَن نے اب اژدھے کی جانب دیکھا اور کہا۔ ”اُٹھ، اور اِس کو گُستاخی کی سزا دے۔“

لیکن اژدھے نے گردن جھکالی اور کُچھ جواب نہ دِیا۔ یہ دیکھ کر بہمَن سمجھ گیا کہ قباد صحیح کہتا ہے۔ اژدھا اُسے طمانچے مارنے کی بجائے خُود پِٹ کر آیا ہو گا۔ تب وُہ اور طیش میں آیا اور کُرسی سے اُٹھ کر اِس زور کی لات اژدھا کی پیٹھ پر ماری کہ وُہ لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا قباد کے قدموں میں جا گِرا۔ بہمَن نے للکار کر بیٹے سے کہا:

”اگر تُو اِسی وقت قباد سے دو دو ہاتھ کر کے فیصلہ نہ کرے گا تو میں خُود تجھے اپنے ہاتھ سے قتل کر دُوں گا۔ ایسے جھوٹے اور بُزدِل بیٹے کا باپ کہلوانا مُجھے پسند نہیں؟“

اژدھا اِبن بہمَن نے یہ بات سُنی تو لاچار اور مجبور ہو کر نیام سے تلوار کھینچی اور جان پر کھیل کر مقابلے کے لیے تیّار ہُوا لیکن خوف سے اُس کا ہاتھ کانپ رہا تھا اور حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر قباد نے کہا:

”افسوس کہ مُجھے کِسی بُزدِل سے لڑنا پڑا ہے۔“

اژدھا نے بل کھا کر تلوار کا ہاتھ مارا۔ قباد نے ڈھال پر روکا پھر آگے بڑھ کر اژدھا کی کلائی پکڑی اور اِس زور سے بل دِیا کہ اژدھا کے حلق سے چیخ نِکلی اور تلوار اُس کے ہاتھ سے چھُوٹ کر گِر گئی۔ پھِر قباد نے ایک ہی وار میں اُس کا سر قلم کیا اور بال پکڑ کر گردن اُٹھالی۔ پھِر اُس نے ایک زبردست نعرہ لگایا اور بہمَن سے کہا:

”اے بہمَن، دیکھ میں تیرے بیٹے کا سر کاٹ کر لیے جاتا ہُوں۔ اگر تُجھے بھی بہادری کا دعوی ہے تو آن کر یہ سر چھین لے۔“

یہ سُن کر بہمَن خُوف سے تھرّا گیا اور اُسے حرکت کرنے کی جرأت نہ ہُوئی۔ قباد شہریار اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا تیز رفتاری سے منزلیں طے کرتا ہُوا اپنے لشکر میں آیا اور آتے ہی اژدھا کی کٹی ہُوئی گردن امیر حمزہ کے پاس بھجوادی۔

شہزادے کے اِس کارنامے کی دھُوم آناً فاناً لشکر میں مچ گئی۔ عادی پہلوان،

بہرام، لِندھور، شیر پال ہندی کے بیٹے، سُلطان بخت مغربی، مقبل وفادار اور عُمرو عیّار سبھی مبارک باد دینے آئے۔ پھر اُنہوں نے امیر حمزہ کو قباد کی دلیری کا سارا واقعہ سُنایا۔ امیر حمزہ دِل میں نادم ہوئے کہ قباد کو خواہ مخواہ غُصّے میں آ کر بُرا بھلا کہہ بیٹھے۔ اُسی وقت قباد کے خیمے میں آئے اور اُسے گلے لگا کر خُوب روئے۔ پھر مِہر نگار کے پاس لے گئے اور اُس نے بھی شہزادے کو پیار کیا۔

اُدھر بہمَن کا رنج اور طیش کے مارے بُرا حال تھا۔ ایسی بے عزّتی زندگی میں پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ بہمَن کی بہادری کو زنگ لگ گیا ہے ورنہ ایک ناتجربہ کار لڑکے کی کیا مجال کہ بھرے دربار میں یوں اُس کے بیٹے کی گردن کاٹے اور دندناتا ہوا چلا جائے۔ اِس غم میں اُس نے تین روز تک کھانا نہ کھایا اور نہ دربار میں آیا۔ اُسے اپنے درباریوں سے آنکھیں چار کرتے ہُوئے شرما آتی تھی۔

چوتھے روز ہرکاروں نے خبر دی کہ ژوپین اور بیزن آئے ہیں۔ بہمَن اُن کے آنے سے خُوش ہُوا اور اُن کے اِستقبال کو اُٹھا۔ ژوپین اور بیزن نے اپنی رام

کہانی سُنائی اور کہا کہ وُہ ملکہ طُور بانو کے مہمان ہیں اور بہمَن سے ملاقات کے لیے آئے ہیں۔ بہمَن نے قباد شہریار کے آنے اور اژدھے کا سر کاٹ کر لے جانے کا ماجرا بیان کیا۔ ژوپین سر ہلا کر کہنے لگا:۔

"بھائی بہمَن، حمزہ کو مار ڈالنا کُچھ مشکل نہیں لیکن اُس کے پاس ایک شخص ایسا ہے کہ اگر وُہ نہ ہوتا تو ہمیں اِتنی مصیبتیں نہ اُٹھانی پڑتیں۔ اِس مکّار کا نام عُمرو ہے۔ جہاں جاتا ہے تباہی پھیلاتا ہے۔ اگر کِسی طرح عُمرو عیّار ہمارے قبضے میں آ جائے تو پھِر حمزہ کو ختم کر ڈالنا بہُت آسان ہے۔"

یہ سُن کر بہمَن نے کہا۔ "مجُھے کیا معلُوم تھا کہ عُمرو عیّار ایسا خطرناک آدمی ہے ورنہ میں پہلے ہی اُس کا کام تمام کر دیتا۔ خیر اب بھی کُچھ نہیں بگڑا۔ میرے پاس ایک شخص ایسا ہے جو عُمرو سے بھی دس قدم آگے ہے۔ ابھی اُسے بلاتا ہُوں۔"

چنانچہ بہمَن نے کاؤسم کتُوری کو طلب کیا اور جب وُہ حاضر ہُوا تو کہا۔

”اے کاؤسم، آج تیری چالاکی کی اور عیّاری کا امتحان ہے۔ امیر حمزہ کے لشکر میں جا اور عُمرو عیّار کو کِسی طرح گرفتار کر کے میرے پاس لے آ۔ مُنہ مانگا انعام دُوں گا۔“

کاؤسم کتُوری نے لنگر لنگوٹ کسا اور عُمرو کو گرفتار کرنے کے ارادے سے روانہ ہُوا۔ اُدھر عُمرو بھی ایک قلندر فقیر کا بھیس بدلے ہوئے قلعے کے باہر گھُوم رہا تھا اور اُس کے کئی شاگرد بھی ساتھ تھے۔ یکایک کاؤسم کتُوری سے ملاقات ہُوئی۔ اُس نے اپنی ذہانت سے پہچان لیا کہ یہی عُمرو عیّار ہے۔ آگے بڑھ کر قدم چُومے اور کہنے لگا:

”حضرت قبلہ، آپ کِدھر تشریف لے جارہے ہیں؟ اِجازت ہو تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔“

عُمرو نے اُس کو غور سے دیکھا اور سمجھا کہ آدمی مالی دار معلُوم ہوتا ہے۔ اِس سے چکنی چپڑی باتیں کر کے کُچھ مال ہتھیانا چاہیے۔ یہ سوچ کر کاؤسم کتُوری کو گلے سے لگایا اور کہا:

”بھئی خُوب آئے۔ مُجھے تُم جیسے ایک آدمی کی تلاش تھی۔ اب یہاں سے میں اپنے شاگردوں کو رُخصت کروں گا۔ اور تُم میرے ساتھ چلو گے۔“

یہ سُن کر کاؤسم کتُوری نے عُمرو کے ہاتھوں کو بوسہ دِیا اور گردن جھُکا کر کھڑا رہا۔ عُمرو نے اپنے شاگردوں کو حُکم دِیا کہ واپس جاؤ۔ ہم چند روز بعد آئیں گے۔ شاگرد چلے گئے تو کاؤسم کتُوری نے کہا:

”حضرت آپ کا نامِ نامی کیا ہے؟“

”مُجھے درویش خاکی کرتے ہیں۔“ عُمرو نے جواب دِیا۔

”حضرت، آپ نے کہیں عُمرو عیّار کو بھی دیکھا ہے؟“ کاؤسم کتُوری نے مکّاری سے پُوچھا۔ ”مُجھے اُن سے ملاقات کا بڑا شوق ہے۔“

”ہاں، میں نے اُس مردِ جان باز کو دیکھا ہے۔“ عُمرو نے مُسکرا کر کہا۔ ”لیکن میرے عزیز تُم اُس کے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ ورنہ دونوں کانوں کے بیچ میں سر کر دے گا۔“

"بُہت بہتر جناب۔۔۔ میں آپ کی نصیحت یاد رکھوں گا۔۔۔" کاؤسم کتُوری نے ادب سے کہا۔ پِھر جیب سے ایک لعل نِکال کر درویش خاکی کے سامنے پیش کیا اور کہنے لگا:

"حضور، اِس غُلام کی جانب سے یہ نذر قبُول فرمایئے۔"

عُمرو نے یہ قیمتی پتھّر دیکھا تو ہوش و حواس پر پردے پڑ گئے۔ بے اختیار لعل لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اُسی وقت کاؤس کتُوری نے عُمرو کا ہاتھ پکڑ کر ایسا داؤ مارا کہ عُمرو چاروں شانے چِت ہو گیا۔ کاؤسم نے اُسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر جھَٹ پَٹ کمند نِکالی اور عُمرو کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔ پِھر قہقہہ لگا کر بولا:

"قلندر صاحب، یہ عیّاریاں یہاں نہیں چلیں گی۔ تُم نے سب کا ناک میں دَم کر رکھا ہے۔ اب میں چھٹی کا دودھ یاد دِلاؤں گا۔ کیا سمجھے؟ میرا نام کاؤسم کتُوری ہے۔ بہمَن کے مُلک کوہستان کے عیّاروں کا بادشاہ ہُوں۔ تُم جیسے بے وقوف تو میری جیب میں پڑے ہیں۔"

عُمرو دِل میں نہایت شرمندہ ہُوا اور سوچا کہ اُستاد بُرے پھنسے۔ اب رہائی مُشکل نظر آتی ہے۔ غرض کاؤسم عُمرو عیّار کا پُشتارہ باندھ کر کوہستان کی جانب چلا۔ چلتے چلتے شام ہو گئی اور پھِر رات۔ آخر اپنے گھر پہنچا۔ عُمرو کو تہہ خانے میں بند کیا اور دروازے میں تالا لگا کر چابی اپنی بیوی کو دی اور کہا۔ ”تہہ خانہ ہرگز نہ کھولنا۔ میں ذرا بہمَن کے ہاں جاتا ہُوں۔“

کاؤسم کی بیوی بڑی شکّی مزاج عورت تھی۔ اُس نے دِل میں کہا کہ کاؤسم نے تہہ خانے میں کیا چیز رکھّی ہے جِس کا ذکر مُجھ سے نہیں کرتا۔ ضرور اِس میں کوئی بھید ہے، دیکھیں تو سہی۔ یہ سوچ کر تہہ خانے میں اُتری۔ شمع جلا کر قُفل کھولا اور اندر گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک قلندر صُورت شخص رسّیوں میں جکڑا پڑا ہے اور اُس کے مُنہ میں کپڑے کی گیند ٹھُنسی ہُوئی ہے۔ کاؤسم کی بیوی نے اُس کے مُنہ سے گیند نکالی اور پوچھا:

”بڑے میاں، تُم کون ہو اور میرا خاوند تمہیں یہاں کیوں بند کر گیا ہے؟“

یہ سُن کے بڑے میاں زار زار رونے لگے۔ پھِر جواب میں کہنے لگے۔ ”اے

نیک بخت، کیا بتاؤں میں کون ہُوں۔ کہتے ہُوئے شرم آتی ہے۔ میں تیرے شوہر کا سوتیلا باپ ہُوں، ہمیشہ اُسے سمجھایا کرتا تھا کہ کاؤسم بیٹا، شریف آدمیوں کی طرح زندگی بسر کر۔ بُرے کام چھوڑ دے لیکن اُس نے کبھی میری نہ سُنی۔ چند دِن ہُوئے مُجھے پتا چلا کہ وُہ بہمَن کے ایک وزیر کی بیٹی سے شادی کر رہا ہے۔ میں نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ جب تمہارے گھر میں پہلے سے ایک نیک بخت بیوی موجود ہے تو اُس پر سوکن کیوں لا رہے ہو؟ یہ تو بڑا ظلم ہے۔ لیکن کاؤسم نے میرا مذاق اُڑایا اور جب میں نے کہا کہ یہ شادی ہرگز نہیں ہو سکتی کیوں کہ میں وزیر سے جا کر کہہ دُوں گا کہ کاؤسم شادی شدہ ہے۔ وُہ اِس بات پر لال پیلا ہو گیا۔ آج اُس کی شادی کا دِن تھا۔ اِس لیے وُہ مُجھے پکڑ کر یہاں لے آیا ہے۔ کہتا تھا کہ شادی کے بعد رہا کر دُوں گا۔"

یہ داستان سُن کر کاؤسم کی بیوی کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ بے اختیار سر پیٹنے اور رونے لگی۔ عُمرو نے کہا:

”اے نیک بخت، روتی کیوں ہو؟ جلد مُجھے آزاد کر تا کہ وزیر کے مکان پر جاؤں اور اِس شادی کو روکوں، ورنہ زندگی بھر روئے گی۔۔۔“

عورت نے جھَٹ عُمرو کے ہاتھ پاؤں کھول دیے اور وُہ وہاں سے رفُو چکّر ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد کاؤسم خُوشی سے جھُومتا جھُومتا آیا اور بیوی سے کہنے لگا۔ ”آج تو مزے آ گئے۔ بہمَن میرے ایک کارنامے سے ایسا خُوش ہُوا ہے کہ مُجھے موتیوں میں تولنے کا وعدہ کر لیا ہے۔“

بیوی نے طیش میں آ کر ایک دوہتڑ اُس کی پیٹھ پر مارا اور چلّا کر بولی۔ ”جھُوٹے۔۔۔ مکّار، مُجھ سے فریب کرتے تُجھے شرم نہیں آتی۔ وزیر کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کر لے۔ میری جوتی سے لیکن اپنے بُڈّھے سوتیلے باپ کے ہاتھ پیر باندھتے ہُوئے تو غیرت لازم تھی۔“

”ہیں۔۔۔۔ ہیں۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہے۔“ کاؤسم نے حیرت سے آنکھیں نِکال کر کہا۔ ”وزیر زادی؟ شادی؟ میرا بُڈّھا سوتیلا باپ؟؟؟۔۔۔۔ آخر یہ قِصّہ کیا ہے؟“

بیوی نے روتے ہُوئے کہا۔ ”میری تو قسمت ہی پھُوٹ گئی۔ خُدا کرے میرا صبر پڑے تُجھ پر۔“

”میں پُوچھتا ہُوں یہ کیا کہے جا رہی ہے؟“ کاؤسم نے غُصّے میں آن کر کہا: ”لا تہہ خانے کی چابی نِکال۔۔۔“

”تہہ خانے میں اب کیا رکھا ہے۔“ بیوی نے کہا۔ ”بے چارے بُڈّھے کو تو میں نے رہا کر دِیا۔“

اب تو کاؤسم کٹوری کے ہوش اُڑ گئے۔ سمجھ گیا کہ عُمرو عیّار اِس عورت کو بے وقوف بنا کر نِکل بھاگا۔ بے اختیار لکڑی اُٹھا کر بیوی کی طرف لپکا اور چِلّانے لگا:

”ارے بے وقوف۔۔۔۔ وُہ میرا سوتیلا باپ نہیں تھا۔ وُہ تو عُمرو عیّار تھا۔۔۔ اُسے بڑی مُشکل سے گرفتار کر کے لایا تھا، اور بہمَن سے اِس خدمت کا معاوضہ وصول کرتا۔۔۔ تُو نے سب کیے کرائے پر پانی پھیر دِیا۔

اب بہمَن کو کیا مُنہ دکھاؤں گا۔ وُہ مُجھے اور تُجھے دونوں کو دیوار میں زندہ چُنوا دے گا۔“

بیوی کے اوسان خطا ہُوئے۔ لگی معافیاں مانگنے۔ مگر کاؤسم کے اوسان خطا تھے۔ اُسی وقت بازار میں نِکلا اور عُمرو کو ڈھونڈنے لگا۔ عُمرو خُود اُس کی تاک میں تھا۔ اِس مرتبہ اُس نے ایک رنگ ریز کا بھیس بھر رکھا تھا اور برابر اُس کے تعاقب میں تھا۔ ایک جگہ موقع پا کر عُمرو نے کاؤسم کو پٹخنی دی، پھُرتی سے اُس کے ہاتھ پیر باندھ کر زنبیل میں پھینکا اور کوہستان سے بھاگا تو اپنے لشکر میں آکر دَم لیا۔ امیر حمزہ کے سامنے زنبیل میں سے کاؤسم کٹوری کو پکڑ کر نِکالا۔ اُنہوں نے پُوچھا:

”عُمرو بھائی، یہ کیسے پکڑ لائے؟“

”اجی کُچھ نہ پوچھو۔“ عُمرو نے کانپتے ہُوئے کہا۔ ”ایسے مُوذی کو پکڑا ہے کہ بس بیان سے باہر۔“

”ذرا ہم بھی اِس کی شکل دیکھیں؟“ امیر حمزہ نے کہا اور کاؤسم کٹوری کے ہاتھ پیر کھول دیے۔ وُہ جھَٹ اُن کے قدموں پر گر پڑا اور گڑ گڑانے لگا:

”اے حمزہ، مُجھے عُمرو عیّار کے ہاتھوں بچالو۔۔۔ وعدہ کرتا ہُوں کہ آئندہ کوئی شرارت نہ کروں گا۔“

تب عُمرو نے ہنس ہنس کر امیر حمزہ کو سارا قِصّہ سُنایا اور آخر میں کہا۔ ”وُہ تو یوں کہو کہ اِس کی بیوی بڑی نیک عورت ہے کہ اُس نے مُجھے تہہ خانے سے نِکالا۔ ورنہ یہ ذاتِ شریف تو مُجھے بہمَن کے پاس لے ہی گئے تھے۔ اُس دِن سے کاؤسم عُمرو عیّار کا شاگرد بن گیا۔

شدّاد جادوگر کا حملہ

نوشیرواں بُہت پریشان تھا۔ کیوں کہ اُسے احساس تھا کہ امیر حمزہ اب کِسی قیمت پر اُسے معاف نہ کریں گے لیکن بادشاہت کا بھُوت اُس کے سر پر سوار تھا اِس لیے نہیں چاہتا تھا کہ امیر حمزہ کے سامنے گھُٹنے ٹیکے۔ اُسے ہر دم یہی اُمید تھی کہ کِسی نہ کِسی روز حمزہ کو جان سے مروادے گا۔"

بختک نے شدّاد جادُوگر کو ایک اور خط مدد کے لیے لکھا تھا۔ ایک دِن اُس کا جواب مِلا کہ وُہ عنقریب امیر حمزہ سے دو دو ہاتھ کرنے میدان میں اُترے گا۔ شدّاد کی طرف سے یہ پیغام پاکر نوشیرواں اور بختک کی خُوشی کا ٹھکانا نہ رہا اور اُنہوں نے فوراً بہمَن، ژوپین اور بیزن کو یہ خبر سُنائی۔ خواجہ بزُرجمہر اِن کی باتیں سُن سُن کر دِل میں ہنستے اور کہتے تھے کہ جس شخص کے سر پر خُدا کا سایا

ہو، اُس کا کون بال بیکا کر سکتا ہے؟

کہتے ہیں، ایک دِن شدّاد جادُوگر شکار کھیلنے کے ارادے سے جنگل میں نِکلا اور پھرتے پھرتے ایک شہر میں جا نِکلا۔ ایک جگہ دیکھا کہ لوگوں کا بے پناہ ہجوم ہے اور درمیان میں سو سال کا ایک بُڈّھا کھڑا کوئی چیز دِکھا رہا ہے۔ لوگ اُسے دیکھنے کے لیے دھکّم پیل کر رہے ہیں۔ جب شدّاد اُس ہجوم کے قریب پہنچا تو لوگوں نے اُسے پہچان کر ادب سے راستہ دے دِیا۔ شدّاد نے اُس بُڈّھے سے کہا:

"یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ لا ہمیں بھی دِکھا۔"

"جہاں پناہ، یہ ایک تصویر ہے۔" بُوڑھے نے جواب دِیا۔

اور وُہ تصویر شدّاد کو تھما دی۔ شدّاد نے ایک نظر تصویر کو دیکھا۔ اور سارا جادُو بھُول گیا۔ ایسی خوب صورت شہزادی اُس نے زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا، پھِر بُڈّھے سے کہنے لگا:

”ہم نے اپنے عِلم کے زور سے معلُوم کیا ہے کہ یہ شہزادی اطہر زنگی کی بیٹی ہے۔“

”بے شک، جہاں پناہ صحیح فرماتے ہیں؟“

”کیا یہ تصویر ہمارے پاس بیچو گے۔“

”جہاں پناہ مالک ہیں۔“بُڈّھے نے گردن جھُکا کر کہا۔

یہ سُن کر شدّاد نے تصویر جیب میں رکھّی اور ایک ہزار اشرفیاں بُڈّھے کے دامن میں پھینک کر وہاں سے روانہ ہُوا۔

اپنے دارالسلطنت میں آیا اور ایک لاکھ حبشی غُلاموں کا لشکر لے کر مُلک زنگ بار کی طرف چل پڑا۔ اطہر زنگی کو مُخبروں نے خبر دی کہ غضب ہو گیا۔ مُلک کاشمیر کا بادشاہ شدّاد جادُوگر ایک عظیم فوج لے کر لڑائی کے ارادے سے آتا ہے۔ اطہر زنگی بھی بُہت بڑا جادُوگر تھا۔ اُس نے اطمینان سے کہا:

”شدّاد آتا ہے تو آنے دو۔ اگر وُہ کِسی بُری نیّت سے آیا ہے تو ہم اُس کا توڑ

جانتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی فوج کو تیّار رہنے کا حکم دِیا۔ شدّاد آندھی کی طرح آیا اور شہر پناہ سے باہر ڈیرے ڈال دیے۔ پھِر اُس نے اطہر زنگی کو پیغام بھجوایا کہ اپنی بیٹی کی شادی مُجھ سے کر دے ورنہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دُوں گا۔ اطہر زنگی جواب میں خُود شدّاد سے مِلنے آیا اور کہا:

"اِتنی سی بات کے لیے اِتنا بڑا لشکر لانے کی ضرورت نہ تھی۔ مُجھے ایک روز کی مہلت دو۔ اُس کے بعد جواب دُوں گا۔" اب اطہر زنگی اپنے محل میں واپس آیا تو اُس کا اطمینان رُخصت ہو چُکا تھا۔ دراصل وُہ اپنے علم کے زور سے جان چُکا تھا کہ شدّاد سے مقابلہ کرنا درست نہ ہو گا۔ آخر سوچ سوچ کر اُس نے اپنے بھتیجے قاموس زنگی کو بُلایا اور کہا:

"میں اپنی پھُول سی بیٹی کی شادی شدّاد جیسے شخص سے ہرگز نہ کروں گا۔ اُسے ٹالنے کی کوئی ترکیب سوچو۔"

"بادشاہ سلامت، یہ کون سی بڑی بات ہے۔" قاموس نے کہا۔ "شدّاد جادُوگر سے کہیے کہ عرب کے شہر مکّے کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرے تو ہم شہزادی کی شادی اُس سے کر دیں گے۔ شدّاد کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ ہے۔ وہ آپ کی یہ شرط مان لے گا۔ اور مکّے پر چڑھ دوڑے گا۔ وہاں کے رئیس امیر حمزہ کے والد خواجہ عبد المطّلب ہیں۔ وہ فوراًاپنے بیٹے کو مدد کے لیے بلائیں گے اور یوں حمزہ کے ذریعے شدّاد سے نجات مل جائے گی۔"

اطہر زنگی اِس تدبیر کو سُن کر عش عش کر اُٹھا۔ اگلے روز شدّاد کے پاس پہنچا اور یہی شرط پیش کر دی۔ شدّاد یہ سُن کر حیران ہوا لیکن پھر اسے نوشیر واں کا بھیجا ہُوا خط یاد آیا۔ اس نے سوچا ایک پنتھ دو کاج۔ اپنا کام بھی بن جائے گا اور نوشیر واں کی فرمائش بھی پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے شرط مان لی اور اُسی وقت اپنے لشکر کو مکّے کی جانب کُوچ کرنے کا حکم دیا۔

چند روز بعد اُس کی فوج کوہ ابُو قبیس کے قریب پہنچ گئی۔ یہ پہاڑ مکّے کے نزدیک ہے۔ خواجہ عبد المطّلب نے عرب سرداروں کو جمع کر کے مشورہ کیا

کہ کیا کرنا چاہیے؟ سب نے یہی کہا کہ شدّاد جیسے بڑے جادُوگر سے مقابلہ کرنا بے سود ہے۔ لٰہذا اِس شرط پر شہر اُس کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ کِسی کو نقصان نہ پہنچائے گا۔"

خواجہ عبدالمطّلب اِن سرداروں کی یہ بات سُن کر پریشان ہُوئے۔ اُن کا جی نہ چاہتا تھا کہ اپنے شہر کو یُوں دشمن کے والے کر دیں۔ اِتنے میں شدّاد کا ایلچی آیا اور اُس نے یہ پیغام دِیا:

"اگر تُم لوگ خیریت چاہتے ہو تو شہر میرے حوالے کر دو۔ ورنہ ایسا خوف ناک انتقام لُوں گا کہ ساری دُنیا دیکھے گی اور کوئی تُمہیں میرے قہر سے بچانے والا نہ ہو گا۔"

خواجہ عبدالمطّلب نے شدّاد کے قاصد کو یہ جواب دے کر روانہ کیا کہ میں اپنے سرداروں سے مشورہ کر رہا ہُوں۔ ایک دو روز بعد اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گا۔

اب خواجہ عبد المطّلب نے امیر حمزہ کے نام خط لکھا کہ اے عزیز فرزند، جلد ہماری خبر لو۔ شدّاد جادُوگر نے شہر پر چڑھائی کی ہے۔ میں نے اُس سے ایک دو روز کی مہلت مانگی ہے۔ یہ خط لکھ کر اُنھوں نے عُمرو عیّار کے باپ اُمیّہ کو بُلایا اور کہا: "اِسے فوراً امیر حمزہ کے پاس پہنچاؤ۔"

اُمیّہ روانہ ہوا اور تیز رفتاری سے منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا آخر اُس مقام پر پہنچا جہاں امیر حمزہ کے لشکر نے خیمے لگا رکھے تھے۔ اُس نے خواجہ عبد المطّلب کا خط امیر حمزہ کو پیش کیا۔ امیر حمزہ نے خط پڑھا اور اُسی وقت لشکر کو مکّے کی جانب کُوچ کرنے کا حکم دے دِیا۔

اُدھر شدّاد ایک ایک گھڑی بے تابی سے گِن رہا تھا۔ جب دو روز کی مُدّت پوری ہو گئی تو اُس نے پھِر اپنے قاصد کو خواجہ عبد المطّلب کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ آپ نے جو مہلت سوچنے کے لیے طلب کی تھی وُہ پوری ہو گی۔ اب شہر میرے حوالے کرو ورنہ ایک ہزار ہاتھی لے کر آؤں گا اور سب کو تہس نہس کروں گا۔

خواجہ عبد المطّلب نے قاصد سے کہا کہ جا اور جا کر شدّاد سے کہہ دے کہ جو تیرے جی میں آئے کر۔ ہم کسی قیمت پر شہر تیرے حوالے نہ کریں گے۔

قاصد نے یہی الفاظ شدّاد سے کہے۔ وُہ طیش میں آیا اور ایک ہزار ہاتھی اور ایک لاکھ حبشی غُلام لے کر شہر پر حملہ آور ہُوا۔ اُدھر خواجہ عبد المطّلب سجدے میں گر پڑے اور خُدا سے دُعا کی کہ اِس مُوذی کے حملے سے تُو ہی بچانے والا ہے۔

شدّاد کے ہاتھی جب شہر کے بالکل قریب آئے تو سب کے سب سجدے میں گر گئے اور ہزار کوشش کے باوجود نہ اُٹھے۔ یہ دیکھ کر شدّاد غضب ناک ہُوا اور غُلاموں کو حکم دِیا کہ اگر ہاتھی اپنا سر نہ اُٹھائیں تو اُن کی سونڈیں کاٹ ڈالو۔ غُلاموں نے آناً فاناً تلواروں سے ہاتھیوں کی سونڈیں اُڑا دیں۔

اِتنے میں مشرق کی جانب سے گرد و غُبار کی ایک عظیم آندھی اُٹھی۔ ہرکاروں نے شدّاد کو خبر دی کہ ایک بُہت بڑا لشکر اِدھر آ رہا ہے۔ شدّاد یہ سُن کر حیران ہُوا اور اُسی وقت اپنے جادُو کے ذریعے معلُوم کیا کہ یہ لشکر امیر

حمزہ کا ہے۔ شدّاد کا کلیجہ بیٹھنے گا۔ وُہ خُوب جانتا تھا کہ امیر حمزہ کے مقابلے میں نہ تو اُس کی طاقت کام آ سکتی ہے نہ جادُو۔ اُس نے بھاگنے کا ارادہ کیا مگر امیر حمزہ کی فوج نے چاروں طرف سے اُس کے لشکر کو گھیر لیا اور خُون ریز جنگ شروع ہُوئی۔ حبشی غُلام کٹ کٹ کر گِرنے لگے۔ ہر طرف خُون کی ندیاں بہہ نِکلیں اور لاشوں کے انبار لگ گئے۔

شدّاد جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر چھُپنے کی کوشش کرتا رہا مگر عُمرو عیّار اُسے بھیڑ بکری کی طرح ہانکتا ہُوا امیر حمزہ کے سامنے لے ہی گیا۔ اب مجبور ہو کر شدّاد نے اپنی تلوار میان سے نِکالی اور زوردار حملہ کیا۔ امیر حمزہ نے بھی جواب میں حملہ کیا۔ دونوں میں دیر تک تلوار چلتی رہی آخر شدّاد ہانپنے لگا۔ اُس نے تلوار پھینک دی۔ تب امیر حمزہ نے چاہا کہ اُس کا خاتمہ کریں کہ اُس نے پکار کر کہا:

”میں امن چاہتا ہُوں۔ مُجھے آپ کی اِطاعت قبُول ہے۔“

یہ سُن کر امیر حمزہ نے ہاتھ روک لیا اور کہا۔ ”اگر تُو امان طلب نہ کرتا تو ابھی

تیری لاش پھڑکتی نظر آتی۔ جا ہم نے تُجھے معاف کیا لیکن غدّاری کی تو سزا پائے گا۔"

شدّاد نے کُچھ جواب نہ دِیا اور اپنے بچے کھُچے غُلاموں کو لے کر کاشمیر واپس چلا گیا۔

اِدھر امیر حمزہ اپنے شہر میں فاتحانہ داخل ہُوئے۔ خواجہ عبد المطّلب اور مکّے کے دُوسرے سرداروں نے اُن کا استقبال کیا۔ عبد المطّلب نے بہادر بیٹے کو گلے سے لگایا اور عُمرو نے آگے بڑھ کر اُن کی قدم بوسی کی۔

اب اِن لوگوں کو یہیں چھوڑ کر ہم شدّاد جادُوگر کے بارے میں کُچھ بتاتے ہیں۔ امیر حمزہ سے شکست کھا کر اُسے بے حد صدمہ پہنچا تھا اور اِس شکست کی وجہ وُہ نوشیر واں کو قرار دیتا تھا۔ نوشیر واں اگر اُسے خط نہ بھیجتا تو شدّاد کبھی اُن سے لڑنے کا خیال دِل میں نہ لاتا۔ اُس کے بعد اُسے اطہر زنگی پر تاؤ آیا۔ اگر وُہ مکّہ فتح کرنے کی شرط نہ لگاتا تو اُس کی رسوائی نہ ہوتی۔ وُہ سوچنے لگا کہ نوشیر واں اور اطہر زنگی دونوں سے انتقام لُوں گا۔

ایک دِن چند آدمی خبر لائے کہ نوشیر واں بادشاہ شکار کھیلنے نِکلا ہے۔ شدّاد نے فوراً ایک طلسم پڑھا۔ اُسی وقت دو ہیبت ناک دیو نمودار ہُوئے۔ شدّاد نے اُنہیں حکم دِیا کہ کہ نوشیر واں کو اُٹھا کر لے آئیں۔ حکم کی دیر تھی کہ دیوؤں نے نوشیر واں کو شدّاد کے سامنے لا کھڑا کیا اور غائب ہو گئے۔ نوشیر واں حیران پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور میں کہاں آ گیا ہُوں؟ آخر اُس نے شدّاد کی طرف دیکھ کر کہا:

"تُم کون ہو اور مُجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

شدّاد نے ایسا ڈراؤنا قہقہہ لگایا کہ نوشیر واں کا خُون خُشک ہو گیا اور ہونٹ کانپنے لگے۔ اُس نے کُچھ کہنا چاہا مگر الفاظ حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ آخر شدّاد نے کہا:

"اے نوشیر واں، سُن۔۔۔۔۔ میرا نام شدّاد ہے۔ تیری وجہ سے مُجھے شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا ہے۔ اب میں تُجھے زندہ نہ چھوڑوں گا۔۔۔۔۔ ہاں، ایک شرط پر چھوڑ سکتا ہُوں۔"

نوشیر واں پتّے کی طرح کانپ گیا۔ شدّاد جادُوگر کی قُوّت اور ہیبت سے وُہ خُوب واقف تھا۔ بڑی مُشکل سے بولا "اے شدّاد، میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے جو تُو میری یہ بے عزّتی کر رہا ہے۔"

شدّاد نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ پھِر آنکھیں نِکال کر بولا۔ "تُو نے مُجھے خواہ مخواہ خط بھیج کر پریشان کیا اور امیر حمزہ سے لڑنے کی ترغیب دی۔ میرا جادُو اُس پر اثر نہیں کرتا۔ اِس لیے میں جنگ میں ہار گیا۔ اُس کے دوست عُمرو عیّار نے میرے دو لائق شاگرد بھی مار ڈالے، جن کی موت کا مُجھے بڑا افسوس ہے۔ اب میں نے یہی سوچا ہے کہ تُجھ سے بدلہ لوں گا۔ ہاں، اگر تُو مِہر نگار کو میرے سپرد کر دے تو جان بخشی کرتا ہُوں۔"

یہ سُن کر نوشیر واں نے کہا "اے شدّاد، تُو کیسی عجیب بات کرتا ہے۔ مِہر نگار تو امیر حمزہ کی بیوی ہے۔ اب میں کیوں کر تیرے حوالے کر سکتا ہُوں۔ اگر تُجھ میں ہمّت ہے تو اُسے حمزہ سے چھین لے۔"

شدّاد یہ جواب سُن کر خاموش ہوا لیکن نوشیر واں کو ایک آہنی پنجرے میں

بند کر کے اپنے محل کے دروازے پر رکھوا دِیا تا کہ لوگ آن کر دیکھیں اور نوشیر واں کا مذاق اُڑائیں۔

نوشیر واں اِس ذِلّت پر آٹھ آٹھ آنسو روتا اور کہتا کہ یہ سب میری غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چِڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ امیر حمزہ کے ساتھ غدّاری نہ کرتا تو ایسی حالت کو کیوں پہنچتا۔

نوشیر واں جب کئی دِن واپس نہ آیا تو خواجہ بزُرجمہر فِکر مند ہُوا کہ بادشاہ شکار کھیلنے گیا تھا اور اب تک لوٹ کر نہ آیا۔ اُس نے علمِ نجوم سے پتا چلایا کہ نوشیر واں کو شدّاد جادُوگر کے آدمی پکڑ کر لے گئے ہیں اور اب وُہ ایک پنجرے میں بند شدّاد کے محل کے دروازے پر پڑا ہے۔ نوشیر واں کی یہ حالت معلُوم کر کے خواجہ بزُرجمہر کو بے حد رنج ہُوا۔ پھر حساب لگایا تو معلوم ہُوا کہ روئے زمین پر سوائے امیر حمزہ کے کوئی شخص نوشیر واں کو شدّاد کے پنجے سے چھُڑا نہیں سکتا۔ لیکن نوشیر واں کو امیر حمزہ کیوں چھُڑاتے؟ نوشیر واں نے بھلا اُن کے ساتھ کون سی نیکیاں کی تھیں۔ یہ تمام باتیں سوچ

کر خواجہ بزُرجمہر اور فِکر مند ہوا۔ آخر اُس نے ایک رُقعہ امیر حمزہ کے نام مکّے بھجوایا۔ جِس میں تمام واقعہ تفصیل سے لکھا تھا اور درخواست کی تھی کہ نوشیر واں کی تمام غدّاریاں بھُول کر اُسے شدّاد کی قید سے آزاد کرائیے۔

امیر حمزہ نے نہایت احترام سے خواجہ بزُرجمہر کا خط پڑھا۔ پھِر دوستوں کو صلاح مشورے کے لیے بلایا۔ عُمرو ناک بھُوں چڑھا کر بولا۔ "خواہ بزُرجمہر کو لکھ دیجیے کہ بڑے میاں، اپنے کام سے کام رکھیے۔ نوشیر واں شدّاد کی قید میں ہے تو ہم کیا کریں۔ جو جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا۔"

عادی پہلوان نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا۔ "حمزہ بھائی، میری رائے میں تو لعنت بھیجو نوشیر واں پر۔۔۔۔ وُہ ہے ہی اِس قابل کہ پنجرے میں بند کیا جائے۔ شدّاد نے جو کیا اچھّا کیا۔ اب بادشاہ سلامت کو دِن میں تارے دِکھائی دے رہے ہُوں گے۔"

غرض سب نے یہی رائے دی کہ اِس معاملے میں پڑنا ٹھیک نہیں۔ بزُرجمہر کو صاف جواب دے دینا چاہیے کہ ہم شدّاد کے کام میں دخل نہ دیں گے۔

جب ہماری اِطاعت قبُول کر کے گیا ہے تو گویا اُس کا کام ہماری جانب ہی سے سمجھا جائے گا۔

امیر حمزہ خاموشی سے سب کی باتیں سُنتے رہے۔ پھِر مُسکرا کر کہنے لگے۔ ”صاحبو، میں نے سب کو سُنا۔ اِس میں شک نہیں کہ نوشیر واں نے ہمارے ساتھ زیادتیاں کی ہیں۔ لیکن اگر ہم بھی اُس کے ساتھ زیادتی کریں تو ہم میں اور اُس میں کیا فرق رہے گا۔ ہمارا کام نیکی کرنا ہے۔ میں ضرور نوشیر واں کو شدّاد کی قید سے آزاد کراؤں گا۔“

امیر حمزہ کی یہ بات سُن کر سب قائل ہو گئے۔ امیر نے اُسی وقت خواجہ بزُرجمہر کے پاس جواب بھیجا کہ آپ مطمئن رہیے، میں عنقریب مُلک کاشمیر کو جاتا ہُوں اور نوشیر واں کو رہا کرانے کی تدبیر کرتا ہُوں۔

اُدھر بختک نامُراد کو جب عِلم ہوا کہ نوشیر واں شدّاد جادُوگر کی قید میں ہے تو اُس نے جھٹ اُس کے بڑے شہزادے ہُرمز کی بادشاہت کا اعلان کر دِیا، لیکن حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ وُہ خُود بادشاہ بننے کے خواب

دیکھ رہا تھا۔

امیر حمزہ نے سفر کی تیّاری شروع کی اور سیاہ قیطاس پر بیٹھ کر مُلک کاشمیر کی جانب چلے۔ بہرام، بخت مغربی اور لِندھور نے ہر چند کہا کہ اکیلے نہ جایئے، جانثاروں میں سے کِسی کو ساتھ لے لیجیے، مگر اُنہوں نے ایک نہ سُنی اور کہا۔ "خدا کی مدد میرے شاملِ حال ہے، وہی حفاظت کرنے والا ہے۔" یہ سُن کر سب خاموش ہوگئے۔ آدھی رات کو مُلک کاشمیر میں داخل ہُوئے اور سیدھے شدّاد کے محل کی جانب گئے۔ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہُوئی تھی۔ امیر حمزہ نے ایک جگہ رُک کر گھوڑے کو درخت کے تنے سے باندھا، سیاہ لباس پہنا اور کمند کے ذریعے محل کے اندر گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بڑے دروازے کے پاس لوہے کا ایک پنجرا رکھا ہے اور اُس میں نوشیرواں جانور کی طرح بند ہے۔ بادشاہ کو اِس حالت میں دیکھ کر امیر حمزہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور دِل میں خُدا کی کِبریائی کا اِقرار کیا کہ وُہ جِس کو چاہے عِزّت دے اور جِس کو چاہے ذِلّت۔

جب امیر حمزہ پنجرے کے نزدیک پہنچے تو قدموں کی آہٹ پا کر نوشیر واں نے آنکھیں کھولیں اور حمزہ کو پہچان کر گردن جھکالی۔ امیر حمزہ نے چُپکے سے کہا:

"اے بادشاہ، گھبر انہیں، میں تُجھے آزاد کرانے آیا ہُوں۔" یہ کہہ کر پنجرے کادروازہ کھولا اور نوشیر واں کو باہر نِکال کر اپنے ساتھ لے گئے۔

اُدھر صُبح جب پہرے داروں نے پنجرا خالی دیکھا تو بدحواس ہُوئے۔ شدّاد کے پاس دوڑے گئے اور کہا کہ جہاں پناہ، پنجرا خالی ہے اور نوشیر واں غائب۔۔۔ یہ سُن کر شدّاد حیران ہوا کہ کِسی کی مجال جو ہمارے محل میں یُوں آئے اور نوشیر واں کو لے کر چلتا بنے۔ اُسی وقت جادُو کے ذریعے معلُوم کیا کہ یہ حرکت کِس کی ہے۔ پتا چلا کہ امیر حمزہ آئے تھے، وُہ نوشیر واں کو لے گئے ہیں اور اِس وقت بیاباں کو طے کر رہے ہیں۔

شدّاد کو جلال آیا۔ ایک طلسم ایسا پڑھا کہ نوشیر واں تنکے کی طرح اُڑا اور شدّاد کے قدموں پر آن گِرا۔ امیر حمزہ نے ایکا ایکی نوشیر واں کو غائب ہوتے دیکھا

تو سمجھ گئے کہ شدّاد نے طلِسم کے زور سے اُسے واپس بُلا لیا ہے۔ اُسی لمحے گھُوڑے کی باگ موڑی اور شدّاد کے محل کا رُخ کیا۔ وُہ خُود حمزہ کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ پہرے داروں نے خبر دی کہ ایک شخص، جس کے چہرے پر نِگاہ نہیں ٹھہرتی، سیاہ گھوڑے پر سوار آیا ہے۔ شدّاد نے کہا آنے دو۔ تھوڑی دیر بعد امیر حمزہ آئے۔ شدّاد نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور نہایت احترام سے اپنی کُرسی پر بٹھانے کے بعد کہا:

"اے امیر، آپ نے کِس طرح تکلیف فرمائی؟"

"تُم نے نوشیرواں کو قید کیا، ہم نے اُسے آزاد کرایا، مگر تُم نے پھر طلِسم کے زور سے اُسے بلا لیا۔ یہ بات افسوس ناک ہے۔ تُم بھی اپنے مُلک کے بادشاہ ہو اور نوشیرواں بھی اپنی سلطنت کا شہنشاہ ہے۔ بادشاہوں کو بادشاہوں کے ساتھ یہ سلوک زیب نہیں دیتا۔"

شدّاد نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ "آپ کا ارشاد صحیح ہے۔ لیکن بادشاہوں کو بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے محسنوں کے ساتھ بُرا برتاؤ کریں اور مکّاری

سے کام لیں۔ ایسے بادشاہ کی سزا یہی ہے۔“

نوشیر واں پنجرے میں بند قریب ہی بیٹھا تھا۔ شدّاد کا یہ کلمہ سُن کر شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

”بے شک تو صحیح کہتا ہے لیکن نوشیر واں کی عِزّت بہر حال ہمیں عزیز ہے، اِس لیے میں تُجھے حکم دیتا ہُوں کہ اِسے آزاد کر کے میرے حوالے کر دے؟“

”جی نہیں۔ اب یہ میرا قیدی ہے اور میں اِسے کِسی قیمت پر نہ چھوڑوں گا۔“ شدّاد نے ہونٹ چبا کر کہا۔

اُس کی اِس بات پر امیر حمزہ کو غُصّہ آیا اور آگے بڑھ کر پنجرے کا دروازہ کھولنے لگے۔ مگر شدّاد نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ امیر حمزہ نے اُسے دھکا دِیا تو پرے جا گرا۔ اب تو شدّاد کو بھی طیش آیا۔ غُلاموں کو حکم دِیا کہ خبردار، نوشیر واں پنجرے سے نکلنے نہ پائے۔ غُلام تلواریں کھینچ کھینچ کر سامنے آئے

اور اُنہوں نے امیر حمزہ کو گھیرے میں لے لیا۔ مجبور ہو کر اُنہوں نے بھی تلوار نکالی اور لڑنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ یہ دیکھ کر شدّاد نے بھاگنا چاہا مگر اُس کا وقت پورا ہو چُکا تھا۔

امیر حمزہ نے ایک ہاتھ ایسا مارا کہ شدّاد کی گردن بھُٹّا سی اُڑ گئی اور چند لمحے تک تڑپنے کے بعد اُس کا جسم بے جان ہو گیا۔

شدّاد کے مرتے ہی چاروں طرف گھُپ اندھیرا چھا گیا اور ایسی تیز آندھی آئی کہ خُدا کی پناہ۔ ہر طرف سے طرح طرح کی خُون ناک آوازیں اُٹھنے لگیں جیسے ہزارہا ہاتھی چنگھاڑ رہے ہُوں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ پھِر آہستہ آہستہ اندھیرا دُور ہُوا اور آوازیں تھم گئیں تب امیر حمزہ نے دیکھا کہ وہاں نہ شدّاد کا عظیم الشّان محل ہے اور نہ غُلاموں کی لاشیں۔ بلکہ ایک لق و دق صحرا ہے۔ نوشیرواں بھی ایک طرف بے ہوش پڑا ہے۔ امیر حمزہ نے اپنی چھاگل میں سے پانی نِکال کر چند چھینٹے اُس کے مُنہ پر مارے۔ نوشیرواں نے آنکھیں کھولیں تب امیر حمزہ نے اُسے سارا قِصّہ سُنایا۔ پھِر سیاہ قیطاس پر اُسے

بھی سوار کیا اور ایک طرف چل کھڑے ہُوئے۔

امیر حمزہ اور نوشیرواں تو صحرا میں بھٹک رہے تھے اور اِدھر بختک اپنی کاروائیوں میں مصروف تھا۔ اُس نے بہمَن، ژوپین اور بیزن کو پیغام بھجوایا کہ یہ موقع اچھّا ہے۔ قلعہ تنگ حِصار پر دھاوا بول دو۔ اِتّفاق سے عُمرو عیّار امیر حمزہ کی تلاش میں نِکل گیا تھا اور لِندھور، بہرام، عادی پہلوان اور مُقبِل وفادار وغیرہ شکار کھیلنے گئے ہُوئے تھے۔ ایک رات بہمَن اور ژوپین اپنا لشکر لے کر قلعہ تنگ حِصار پر چڑھ آئے اور ایسا حملہ کیا کہ قلعے کا دروازہ ٹُوٹ گیا۔ امیر حمزہ کی فوج رات کے اندھیرے میں جم کر نہ لڑ سکی اور یُوں بھی سارے پہلوان غیر حاضر تھے۔ اِس لیے اُس کے پیر اُکھڑ گئے اور قلعے پر بہمَن کا قبضہ ہو گیا۔ ملکہ مِہر نگار نے جب دیکھا کہ دُشمن قلعے میں آ گیا ہے تو اُس نے جھَٹ مردانہ کپڑے پہنے، ہتھیار باندھ کر محل سے باہر نِکلی اور گھوڑے پر بیٹھ کر ایک طرف چلی۔ قلعے کے تمام دروازوں پر دشمن کی فوج کا

پہرا تھا اور وُہ ہر آنے جانے والے کی سختی سے جانچ پڑتال کر رہے تھے۔ ایک سپاہی نے ملکہ مِہر نگار کو روکا اور کہا۔

"اے نوجوان، تُو کون ہے اور کِدھر جاتا ہے؟"

"میں بختک وزیرِ اعظم کا بھائی ہوں اور مدائن کو جاتا ہُوں۔" مِہر نگار نے مردانہ آواز بنا کر جواب دِیا لیکن سپاہی کو شک ہوا اور قریب آن کر غور سے دیکھا تو کہنے لگا:

"تو کہتا ہے کہ میں بختک وزیر کا بھائی ہُوں۔ مگر تیری شکل تو بختک سے بالکُل نہیں مِلتی اور میں نے سُنا ہے کہ بختک کا کوئی بھائی بھی نہیں ہے۔"

یہ سُن کر مِہر نگار بدحواس ہُوئی۔ اُس نے تلوار نِکال کر سپاہی پر حملہ کیا اور اُسے قتل کر دِیا۔ مگر فوراً ہی دُوسرے سپاہیوں نے ملکہ کو گھیر لیا اور ایک پہرے دار نے اپنا نیزہ اِس زور سے پھینکا کہ مِہر نگار کی پیٹھ پر لگا۔ بدنصیب

شہزادی مُنہ کے بَل زمین پر گری اور تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد مر گئی۔ اِتنے میں کِسی نے اُسے پہچان لیا کہ یہ شادی مِہر نگار ہے۔ فوراً بہمَن کو خبر کی۔ وُہ دوڑادوڑا آیا۔ ژوپین اور بیزن بھی آئے، شہزادی مِہر نگار کی لاش دیکھ کر اُن سب کے کلیجے خوف سے بیٹھنے لگے اور اب اُنہیں اپنی موت نظر آنے لگی۔ بختک بھی مدائن سے آیا۔ لیکن وُہ بے حد خُوش تھا۔ اُس نے بہمَن اور ژوپین کو تسلّی دی کہ گھبرانے کی کیا بات ہے۔ یہ تو بُہت اچھّا ہوا کہ مِہر نگار ہلاک ہو گئی۔ اب امیر حمزہ پر تمہاری بہادری کا رُعب بیٹھ جائے گا۔ یہ سُن کر بہمَن اور ژوپین خُوش ہُوئے۔

اب تھوڑا سا حال امیر حمزہ اور نوشیر واں کا سُنیے کہ صحرا میں اُن پر کیا بیتی۔ ایک دِن امیر حمزہ سو کر اُٹھے تو معلُوم ہُوا کہ نوشیر واں غائب ہے۔ اُنہوں نے اِدھر اُدھر تلاش کیا۔۔۔ کُچھ فاصلے پر ایک نخلستان کے آثار دِکھائی دیے

تو اُدھر گئے۔ وہاں قزّاقوں کا ایک گروہ ٹھہرا ہُوا تھا اور اُنھوں نے نوشیر واں کو پکڑ لیا تھا۔ اور اُس کے بدن سے شاہی پوشاک اُتار لی تھی کیوں کہ اُس میں ہیرے ٹکے ہُوئے تھے۔ نوشیر واں ننگ دھڑنگ ایک جانب بیٹھا اپنی قسمت کو رو رہا تھا۔ امیر حمزہ کو دیکھ کر قزّاقوں نے تلواریں نِکال لیں، لیکن اُنھوں نے للکار کر کہا:

"میں تُم سے جنگ کرنے نہیں آیا۔ صرف یہ بتانے آیا ہُوں کہ جس شخص کو تُم نے قید کر رکھّا ہے، وُہ شہنشاہ نوشیر واں ہے۔ اگر اِسے رہا نہ کرو گے تو مارے جاؤ گے۔"

یہ سُن کر قزّاقوں پر ہیبت طاری ہُوئی اور اُنھوں نے جھٹ نوشیر واں کو آزاد کر دِیا۔ پھِر امیر حمزہ سے پُوچھنے لگے کہ اے جوان تُو کون ہے؟ تب امیر نے اُنھیں ساری داستان سُنائی۔ قزّاق بُہت حیران ہُوئے اور کہنے لگے: "عجب تماشا ہے کہ نوشیر واں جیسا زبردست بادشاہ ایسی مُصیبتوں میں گرفتار ہے۔ اچھّا ہم اُسے مدائن لیے جاتے ہیں۔"

نوشیر واں ترو قزّاقوں کے ساتھ مدائن چلا گیا اور اِدھر امیر حمزہ صحرا میں تنہا رہ گئے۔ یکایک ایک جانب سے عُمرو عیّار نمودار ہوا۔ وُہ آتے ہی حمزہ سے لپٹ گیا اور بولا:

"اے حمزہ تُمھیں کاشمیر گئے اتنے دِن بیت گئے۔ میں تمہاری تلاش میں نِکلا ہُوں۔ ہماری غیر موجودگی میں دُشمنوں نے کوئی چال نہ چلی ہو۔"

"ہاں، دِل تو میرا بھی گھبراتا ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "خبر جو ہوا دیکھا جائے گا۔ آؤ اب یہاں سے تو نِکلیں۔"

قِصّہ مختصر امیر حمزہ اور عُمرو عیّار کئی دِن تک صحرا میں بھٹکتے رہے۔ اُس کے بعد دربند کامیاب کی جانب جانکلے۔ یہاں کے بادشاہ کاؤس رُومی نے اُن کا شاندار استقبال کیا۔ ملکہ اطلس پوش بھی بے حد خُوش ہُوئی۔ لیکن جب شیوہ وزیرزادی نے عُمرو کو دیکھا تو نفرت سے مُنہ پھیر لیا اور کہنے لگی:

"اب بھی شکل کیوں دِکھائی؟ میں نے تو سمجھ لیا تھا کہ تُم کہیں مر گئے۔ اچھّا،

اب ایک خُوش خبری سُنو۔ خُدا نے تمھیں بیٹا عطا کیا ہے۔ میں نے اس کا نام چالاک رکھا ہے۔"

یہ سُن کر عُمرو کی خُوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ فوراً بچّے کو دیکھا اور بولا۔ "معلُوم ہوتا ہے یہ عیّاری میں میرا بھی اُستاد نکلے گیا۔"

بیٹے کی پیدائش پر امیر حمزہ نے بھی عُمرو کو مبارک باد دی۔ اگلے روز ایک قاصد قلعۂ تنگ حِصار سے وہاں آیا اور اُس نے یہ دردناک خبر سُنائی کی بہمَن اور ژوپین نے قلعے پر قبضہ کر لیا ہے اور شہزادی مِہر نگار ہلاک ہو گئی ہیں۔ امیر حمزہ یہ سُن کر اِس قدر روئے کہ اُن کی آنکھیں سوج گئیں۔ کھانا پینا سب کُچھ چھُوٹ گیا۔ عُمرو عیّار اور کاؤس رُومی نے اُنہیں سمجھایا کہ موت اور زندگی خُدا کے اختیار میں ہے۔ وُہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ آپ اِس صدمے کو برداشت کر کے دشمنوں کو نیست و نابُود کرنے کی کوشش کیجیے۔

کئی ماہ تک امیر حمزہ کو یہی حالت رہی۔ آخر آہستہ آہستہ طبیعت سنبھلی۔ تب کاؤس رُومی نے اپنی بیٹی شہزادی اطلس پوش کی شادی امیر حمزہ سے کر دی۔

اور امیر حمزہ خُوش و خُرّم رہنے لگے۔

کاؤس رُومی کے بڑے لڑکے نے، جو قیصرِ رُوم کہلاتا تھا، جب یہ خبر سُنی کہ اطلس پوش کی شادی امیر حمزہ سے ہو گئی ہے تو اُسے بے طیش آیا۔ قیصرِ رُوم خُود ایک وسیع سلطنت پر حکومت کرتا تھا اور اُس کا ارادہ تھا کہ اپنی بہن اطلس پوش کی شادی کسی بُہت بڑے بادشاہ سے کرے گا۔ لیکن اب اُس کے ارادے خاک میں مِل چُکے تھے۔ اُس نے اپنے سپہ سالار قہرمان کو طلب کر کے حُکم دِیا کہ پانچ لاکھ سپاہی لے کر فوراً در بند کامیاب کی طرف جاؤ اور اطلس پوش، شہزادہ آصف، شہزادہ الیاس اور کاؤس رُومی کو گرفتار کر کے یہاں لے آؤ۔

قہرمان یہ لشکرِ جرّار لے کر جِس روز رُوم سے نِکلا، اُسی روز امیر حمزہ اور عُمرو عیّار اپنے بچھڑے ہُوئے دوستوں سے مِلنے کے لیے قلعۂ تنگ حِصار کی جانب روانہ ہُوئے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ لِندھور اور بہرام جیسے بہادروں کی موجودگی میں بہمَن اور ژوپین زیادہ دیر تک قلعے پر قابض نہیں رہ سکتے۔

قہرمان خدا کا قہر بن کر آیا اور کاؤس رُومی، اطلس پوش، آصف اور الیاس اور شیوہ وزیر زادی کو گرفتار کر کے رُوم سے گیا۔ کاؤس رُومی نے غضب ناک ہو کر اپنے بیٹے قیصر سے کہا:

"تُم نے اپنے باپ کی بھی عزّت نہ کی۔ اِس طرح قیدیوں کی طرح مُجھے کیوں بُلوایا گیا ہے؟"

"ابا جان، آپ نے اطلس پوش کی شادی امیر حمزہ سے کر کے ہماری عزّت خاک میں مِلا دی ہے۔" قیصر نے جواب دِیا۔

"ارے بے وقوف، تُجھے کیا معلُوم کہ امیر حمزہ کا تُجھ پر کتنا بھاری احسان ہے؟" کاؤس نے کہا: "اس نے میری خاطر دولائے فرنگی سے جنگ کی اور اُسے ہلاک کیا۔ میرے شہر کو بچایا۔ اُس وقت تُو کہاں تھا؟"

یہ سُن کر قیصرِ رُوم نے غُلاموں کو حکم دِیا کہ اِن سب کو قید خانے میں لے جاؤ اور ہمارے اگلے حکم کا انتظار کرو۔

اِسی طرح اِن بے چاروں کو قید خانے میں پڑے پڑے کئی مہینے گُزر گئے۔ قیصرِ رُوم نے اپنے باپ، بہن اور بھائیوں پر ظلم کرنے میں کوئی کمی نہ کی، مگر وُہ ثابت قدم رہے۔ ایک دِن خواجہ سرا نے قیصر کے کانوں تک یہ خبر پہنچائی کہ شہزادی اطلس پوش کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ قیصر نے کہا، اِس لڑکے کو ہمارے پاس لاؤ۔ ہم اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔ قیصر کا حکم پا کر غُلام قید خانے میں گئے اور اُنہوں نے اطلس پوش سے بچّہ چھیننے کی کوشش کی۔ مگر اُس نے اِس قدر رونا پیٹنا مچایا کہ غُلاموں کو ترس آیا اور اُنہوں نے واپس آن کر قیصر سے کہا کہ حضور، وُہ بچّے کو کِسی طرح ہمارے حوالے نہیں کرتیں۔ کہتی ہیں کہ اِس کے عوض مُجھے قتل کر دو۔ تب قیصر نے چند اور غُلاموں کو بھیجا۔ وُہ بھی خالی ہاتھ واپس آئے۔ اب تو قیصر کے غُصّے کی انتہا نہ رہی۔ تلوار کھینچ کر خُود قید خانے کی طرف جانے کا ارادہ کرنے لگا۔ اتنے میں اُس کی بیوی وہاں آئی۔ اُس نے تمام ماجرا سُن کر اُس کو روکا اور کہا:

"آپ بادشاہ ہیں۔ آپ کو قید خانے میں جانا زیب نہیں دیتا۔ میں وہاں جاتی

ہُوں اور اطلس پوش کے بچّے کو لے کر آتی ہُوں۔"

قیصر کی ملکہ قید خانے میں گئی۔ اطلس پوش نے اُسے آتے دیکھا تو جھٹ اُس کے قدموں میں گِری اور رو رو کر کہنے لگی۔ "اے بہن، میرے بچّے کو بچاؤ۔ اِس معصوم نے کیا قصور کیا ہے جو قیصر اِسے قتل کرنے کے درپے ہے۔ اُس کے بجائے مُجھے مار ڈالو۔"

ملکہ نے جب بچّے کر دیکھا تو حیران ہُوئی۔ ایسا خُوب صورت لڑکا اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، خُود اُس کے ہاں ابھی تک کوئی اولاد نہ تھی۔ بچّے کو پیار کیا اور سینے سے چمٹایا۔ پھر اطلس پوش سے کہنے لگی:

"اے شہزادی، تُم بالکل خوف زدہ نہ ہو۔ میں اِس بچّے کو قیصر کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچاؤں گی۔ اب تُم مُجھے اتنی اِجازت دو کہ اِسے اپنے ساتھ لے جاؤں۔ ورنہ خدشہ ہے کہ قیصر اِسے کِسی نہ کِسی بہانے تُم سے چھین کر مار ڈالے گا۔"

یہ سُن کر اطلس پوش نے بچّہ ملکہ کے حوالے کیا اور خُود آنسو بہانے لگی۔

اُدھر ملکہ اِس شہزادے کو لے کر قیصر کے پاس گئی اور کہنے لگی۔ ”اے قیصر، ذرا دیکھ یہ بچّہ کتنا حسین ہے۔ اب تو ایک کام کر۔ نقّارچیوں کو بُلا کر شہر میں یہ اعلان کرا دے کہ ہمارے ہاں بیٹا ہوا ہے۔“

قیصر نے جب بچّے کو دیکھا تو بے حد خُوش ہوا اور اُسے مار ڈالنے کا خیال دِل سے نِکال دِیا۔ ملکہ کی تدبیر پسند آئی۔ اُسی وقت شہر میں ڈھنڈورا پِٹوا دِیا کہ بادشاہ کے ہاں ولی عہد پیدا ہُوا ہے۔ تمام مُلک میں جشن منایا جائے۔ غرض چالیس روز تک ملک میں دھوم دھام ہُوئی۔ گلی گلی نوبت خانے رکھوا دیے اور بازاروں میں اِس قدر روشنی ہُوئی کہ رات پر دِن کا دھوکا ہوتا تھا۔ ملکہ نے قیصر کی مِنّت سماجت کر کے اطلس پُوش کو قید خانے سے نِکلوا کر بچّہ اُس کے سپرد کیا اور کہا کہ اِسے دُودھ پلاؤ۔ قیصر نے شہزادے کا نام عَلَم شاہ رکھا۔

رفتہ رفتہ شہزادہ عَلَم شاہ بڑا ہوتا گیا۔ قیصر نے اس کی تعلیم اور تربیت کے لیے بڑے بڑے اُستاد رکھے جنھوں نے اُسے نیزہ بازی، تیر اندازی، شمشیر زنی،

سپہ گری اور کُشتی کے سب فن سکھائے۔ جب عَلَم شاہ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو قیصر نے اپنے دربار میں اُس کی ایک کُرسی رکھوائی جس پر وُہ روزانہ آن کر بیٹھا کرتا۔

ایک دِن عجیب واقعہ پیش آیا۔ قیصر اپنے دربار میں تخت پر بیٹھا فریادیوں کے مقدمے سُن رہا تھا کہ شہر میں غُل غپاڑے کی آواز بُلند ہُوئی۔ معلُوم ہوا کہ فیل خانے سے ایک مست ہاتھی نِکل کت شہر میں آگیا ہے اور توڑ پھُوڑ کر رہا ہے۔ بُہت سے آدمی اُس کے پیروں تلے آن کر کُچلے گئے ہیں۔ قیصر نے حکم دِیا کہ فوج کے چند سپاہی جائیں اور اُس مست ہاتھی کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ تھوڑی دیر بعد اودھم مچا کہ ہاتھی نے اُن سپاہیوں کو بھی مار ڈالا ہے اور اب انتقام لینے کے لیے قیصر کے محل کی طرف آ رہا ہے۔

یہ سُن کر دربار میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ سب اپنے اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچنے لگے۔ اِتنے میں ہاتھی چنگھاڑتا ہوا آیا اور ایک درباری کو سُونڈ میں جکڑ کر آناً فاناً اُس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیں۔ یہ دیکھ کر قیصر کا خُون خشک ہوا۔ سپہ

سالار قہرمان اپنی کُرسی سے اُٹھا اور ایک ستون کے پیچھے کا چھُپا۔

پہرے دار اور تمام درباری بھی فرار ہُوئے۔ لیکن شہزادہ عَلَم شاہ اطمینان سے اپنی کُرسی پر بیٹھا رہا۔

قیصر نے چلّا کر کہا: ”بیٹا، بھاگو اپنی جان بچاؤ۔“

عَلَم شاہ نے گردن ہلا کر آنے سے انکار کر دِیا۔ اتنے میں مست ہاتھی بُری طرح چنگھاڑتا ہوا آگے بڑھا اور عَلَم شاہ کو پکڑنے کے لیے سُونڈ گھمائی لیکن بہادر شہزادے نے خُوف کھائے بغیر اپنی تلوار نِکالی اور ہاتھی کی سُونڈ کاٹ ڈالی۔ ہاتھی چیخیں مارتا ہوا پلٹا اور وہاں سے بھاگ نِکلا۔

یہ کارنامہ دیکھ کر قیصر عَش عَش کر اُٹھا۔ بے اختیار ہو کر عَلَم شاہ کو گلے سے لگا کر پیار کیا اور سونے کی اشرفیاں اُس پر سے نچھاور کیں۔ اُسی دِن عَلَم شاہ کو رُستمِ پیل تَن کا خطاب دیا گیا۔

شہزادہ عَلَم شاہ کو اپنے والد امیر حمزہ کے بارے میں ابھی تک کُچھ معلُوم نہ تھا

کہ وُہ کون ہیں۔ وُہ تو قیصرِ رُوم ہی کو اپنا باپ سمجھتا تھا۔ ایک دِن دربار میں کِسی وزیر نے قیصر سے ذکر کیا کہ امیر حمزہ نے شہنشاہ نوشیر واں کی سلطنت چھین لی ہے۔ یہ سُن کر عَلَم شاہ کہنے لگا:

"امیر حمزہ کون ہے اور اُس نے نوشیر واں جیسے بادشاہ سے سلطنت کیسے چھین لی؟"

تب قیصرِ روم نے اُسے امیر حمزہ کے بارے میں بُہت سی باتیں بتائیں جن میں سے چند باتیں سچّی تھیں اور باقی سب جھُوٹی۔ آخر میں کہا۔ "امیر حمزہ اب ہمارا ملک بھی چھیننے کی فکر میں ہے۔"

یہ سُن کر شہزادہ عَلَم شاہ طیش میں آیا اور کہنے لگا۔ "ابّا جان آپ فکر نہ کیجئے۔ میں امیر حمزہ سے نوشیر واں کی سلطنت چھین کر آپ کے سپرد کر دوں گا۔"

قیصر نے شہزادے کی پیشانی پر بوسہ دِیا اور کہا کہ میرا بیٹا بڑا بہادر ہے اور ایک دِن اُس کا شمار دُنیا کے عظیم بادشاہوں میں ہو گا۔

بَدرہ جادُوگرنی کی موت

ایک دِن شہزادہ قباد شہریار شکار کھیلنے گیا اور راستہ بھُول کر قیصرِ رُوم کی سلطنت میں آ گیا۔ دیکھا کہ ایک خُوب صورت باغ میں عالی شان سنگِ مرمر کی بارہ دری بنی ہے اور اُس میں سے لوگوں کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ باغ کے چاروں طرف اُونچی دیوار تھی۔ شہزادہ قباد شہریار دیوار پر چڑھا اور اندر کُود گیا۔ وہاں نہایت خُوب صورت ہرن اور طرح طرح کے حسین پرندے ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے۔ شہزادے نے ایک ہرن پر تیر چلایا۔ ہرن زخمی ہو کر ایک طرف بھاگا۔ اور سیدھا اُس بارہ دری میں گھُس گیا۔ جہاں قیصرِ رُوم بیٹھا تھا۔

اپنے پالتو ہرن کو لہُولہان دیکھ کر قیصر نے غُصّے سے کہا۔

”یہ کِس کی قضا آئی ہے کہ ہمارے ہرن کو زخمی کیا؟ اُسے ہمارے حضور میں پیش کرو۔“

یہ حکم پا کر پہرے دار دوڑے دوڑے گئے۔ دیکھا کہ ایک خُوب صورت جوان باغ میں حیران پریشان اِدھر اُدھر گھُوم رہا ہے۔ کمر سے تلوار بندھی ہے اور تیر کمان ہاتھ میں ہے۔ پہرے دار سمجھ گئے کہ اِس جوان نے ہرن کو زخمی کیا ہے۔ قباد سے کہنے لگے۔

”اے نوجوان، تُونے بڑا ظلم کیا کہ قیصر کے پالتو ہرن کو مارا۔ اب وُہ تُجھے ہرگز زندہ نہ چھوڑے گا۔ چل، وُہ تُجھے بُلاتا ہے۔“

”میں تمہارے بادشاہ کا نوکر نہیں ہُوں کہ وہاں جاؤں۔“ قباد شہریار نے جواب دِیا۔

یہ سُن کر ایک پہرے دار آگے بڑھا اور اُس نے قباد کو پکڑنے کی کوشش کی مگر شہزادے نے ایک گھونسا ایسا مارا کہ پہرے دار چرخی کی طرح گھُوم گیا اور

مُنہ کے بل زمین پر گرا۔ اپنے ساتھی کو یُوں گرتے دیکھ کر دُوسرے پہرے دار خوف زدہ ہُوئے مگر اُنھوں نے قباد کو اکیلا پا کر پھر پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن اُس نے اُن کی ایسی مرمّت کی کہ خُون میں نہلا دِیا۔ یہ سب گرتے پڑتے قیصر کے پاس گئے اور بیان کیا کہ ایک نوجوان باغ میں گھُس آیا ہے۔ اُسی نے شاہی ہرن کو زخمی کیا اور پھِر سب پہرے داروں کو مار مار کر بدحواس کر دِیا۔

قیصرِ رُوم نے اپنے آدمیوں کی یہ دُرگت بنتے دیکھی تو آپے سے باہر ہو گیا۔ خُود بارہ دری سے اُٹھ کر باغ میں گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک حسین نوجوان جس کا ڈیل ڈول پہلوان کا اور چہرہ شیر کا سا ہے، ایک حوض کے کنارے کھڑا مُسکرا رہا ہے۔ قیصر اُسے دیکھ کر حیران ہوا اور کہنے لگا:

”اے جوان، سچ بتا تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟“

”میرا نام قباد شہریار ہے اور میں امیر حمزہ کا بیٹا ہُوں؟“

یہ سُن کر قیصر کے جسم پر تھر تھری سی چھُوٹی لیکن اپنے آپ کو سنبھال کر کہا ”تو نے ایسے جُرم کیے ہیں جِن کی سزا موت کے سوا اور کُچھ نہیں۔ مرنے کے لیے تیّار ہو جاؤ۔“ قیصر نے گرج کر کہا۔

”کیا میں پُوچھ سکتا ہُوں کہ آپ کون ذات شریف ہیں اور وُہ کون سے جُرم ہیں جو میں نے کیے ہیں؟“شہزادہ قباد شہریار نے ہنس کر پُوچھا۔

”میں اِس مُلک کا بادشاہ قیصر ہُوں اور تُو نے جو جُرم کیے ہیں وُہ یہ ہیں۔ ۱۔ تُو نے ہمارے پالتو ہرن کو مارا۔ ۲۔ بغیر اِجازت شاہی باغ میں گھُس آیا۔ ۳۔ ہمارے پہرے داروں کو لہُولُہان کیا اور ۴۔ ہم سے گُستاخی کرتا ہے؟“

قباد شہریار نے کہا:

”آپ نے جو کُچھ فرمایا ہے وُہ سچ ہے، لیکن اِتنی سی بات پر موت کی سزا دینا کہاں کا انصاف ہے۔“

قیصر نے کُچھ کہے بغیر تالی بجائی۔ اُسی وقت حبشی غُلاموں کا ایک دستہ تلوار اور

نیزے سنبھالے نمودار ہوا۔ قیصر نے اُنہیں حکم دِیا کہ اِس نوجوان کو گرفتار کرو۔ حبشی غُلام قباد کی طرف جھپٹے مگر اُس نے بھی تلوار نِکال لی اور اِس بے جگری سے لڑا کہ چند لمحوں میں کئی غُلام کاٹ کر ڈال دیے۔ بقیہ بھاگ گئے۔ اِس کے بعد قباد نے تلوار کی نوک قیصر کے سینے پر رکھی اور گرج کر بولا:

"اے بادشاہ، اب بول تیری کیا سزا ہے؟ یہ تلوار سینے کے اندر اُتار دُوں؟"

قیصر کا رنگ ہلدی کی مانند پیلا پڑ گیا اور بے اختیار گِھگھیانے لگا۔ تب قباد نے تلوار ہٹائی اور کہا۔ "ہم جاتے ہیں۔ یاد رکھ آیندہ ایسی گُستاخی کی تو جیتا نہ چھوڑوں گا۔" یہ کہہ کر وُہ باغ کی دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف کُود گیا۔

قیصر کی ایسی بے عزّتی زندگی بھر کبھی نہ ہُوئی تھی۔ اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ امیر حمزہ کے بیٹے کی یہ مجال کہ دِن دہاڑے یُوں شاہی باغ میں آئے اور بادشاہ سے یہ سلوک کر کے صفا نِکل جائے۔ اُس نے اُسی وقت شہزادہ عَلَم شاہ کو سات لاکھ مُسلّح سواروں کے ساتھ نوشیرواں کی سلطنت کی جانب روانہ کیا۔ عَلَم شاہ نے سب سے پہلے استنبول پر حملہ کیا۔ وہاں دو بھائی

محمد شاہ اور مُظفّر شاہ حکومت کرتے تھے۔ لڑائی میں اُن دونوں کو زخمی کیا اور ملک چھین لیا۔ پھِر آگے بڑھ کر مِصر پر حملہ کیا اور اُسے بھی فتح کر لیا۔ اِس کے بعد یُونان میں آیا۔ اُن دِنوں یہاں ملکہ گُلشن آرا کی حکومت تھی اور وُہ امیر حمزہ کو خراج ادا کرتی تھی۔ عَلَم شاہ نے یونان پر بھی قبضہ کیا۔ تب گُلشن آرا نے امیر حمزہ کی خدمت میں سب حالات لکھ بھیجے اور مدد طلب کی۔

اب ذرا قباد شہریار کا حال سُنیے کہ اُس پر کیا بیتی۔ وُہ قیصرِ رُوم کے باغ سے نِکلا تو سیدھا قلعۂ کابل کا رُخ کیا۔ اُسے معلُوم تھا کہ ژوپین اور بیزن کی فوجیں کابل پر حملہ کرنے کے ارادے سے چل پڑی ہیں۔ جب شہریار قلعے کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ سب دروازے بند ہیں اور کِسی کو اندر جانے کی اِجازت نہیں۔ اِس قلعے پر ملکہ شمسہ بانو کی حکومت تھی۔ اور یہ ملکہ بھی امیر حمزہ کو خراج ادا کرتی تھی۔ شہزادہ شہریار نے ایک سپاہی کے ہاتھ شمسہ بانو کو اپنی آمد کا پیغام بھیجا۔ وُہ بہت خُوش ہُوئی اور خُود دروازے پر آ کر شہزادے کو اپنے ساتھ محل میں لے گئی۔

تھوڑی دیر بعد بدرہ جادُو گرنی وہاں آئی اور اُس نے شہریار کو دیکھا تو آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ بدرہ جادُو گرنی شدّاد کی بہن تھی اور خُوب جانتی تھی کہ امیر حمزہ ہی نے اُسے جہنّم رسید کیا ہے۔ اب جو اُس نے امیر حمزہ کے بیٹے کو دیکھا تو اپنے بھائی کے خُون کا بدلہ لینے کی تدبیر سوچنے لگی۔ وُہ نہایت حسین لونڈی کے روپ میں شہریار کے سامنے آئی اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگی:

"سرکار، مُجھے آپ کے والدِ بزرگوار امیر حمزہ نے بھیجا ہے۔ ذرا علیحدگی میں چلیے۔ ایک خاص پیغام دینا ہے۔" شہزادہ شہریار فوراً وہاں سے اُٹھا اور بدرہ جادُو گرنی کے ساتھ چل پڑا۔ وُہ مکّار ایک ویران مکان میں شہزادے کو لے گئی اور جادُو کے زور سے شہزادے کا جسم باندھ دِیا۔ پھِر اپنا خنجر نِکالا اور شہزادے کا سر کاٹ لیا۔

اُدھر شمسہ بانو شہریار کا انتظار کر رہی تھی۔ جب دیکھا کہ اُسے گئے ہُوئے دیر ہُوئی تو دِل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔ معلُوم ہوا کہ بدرہ جادُو گرنی شہزادے کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

یہ سُن کر شمسہ بانو نے اپنا سر پیٹ لیا اور کہا کہ شہریار کی خیر نہیں۔ بَدرہ جادُوگرنی نے اُسے ضرور ہلاک کر دِیا ہو گا۔

اُسی وقت ایک ہزار غُلام لے کر بَدرہ جادُوگرنی کے مکان پر آئی۔ دیکھا کہ مکان کے اندر گھُپ اندھیرا ہے اور ہر طرف سنّاٹا ہے۔ شمعیں جلائی گئیں تب ایک غُلام نے دیکھا کہ شہزادہ شہریار کی لاش خُون میں لت پت ایک کمرے میں پڑی ہے اور سر غائب ہے۔ یہ دیکھ کر شمسہ بانو رونے پیٹنے لگی۔ اُسی وقت ایک ہرکارہ امیر حمزہ کے پاس بھیجا اُنھوں نے جب یہ خبر سُنی تو اِس قدر روئے کہ آنکھوں کی روشنی کم ہونے گی۔ خواجہ بزُرجمہر نے تسلّی دی اور کہا کہ گھبراؤ نہیں، شہزادہ حقیقت میں مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔

اور جادُوگرنی کی قید میں ہے۔ اب خواجہ عُمرو عیّار کے سوا اُسے کوئی آزاد کرا نہیں سکتا۔ یہ سُن کر امیر حمزہ کی جان میں جان آئی۔ عُمرو عیّار نے کہا:

"میں شہزادے کی تلاش میں جاتا ہُوں۔ آپ قلعۂ کابل کی خبر لیجئے۔ سُنا ہے ژوپین اور بیرن اُس پر حملہ کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں اور اُدھر قیصرِ رُوم

کے بیٹے عَلَم شاہ نے بھی اُودھم مچار کھا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سلطنت ہاتھ سے نِکل جائے۔"

"مُجھے سلطنت سے زیادہ اپنے پیارے بیٹے شہریار کی فکر ہے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "اُسے جلد تلاش کر کے میرے پاس لاؤ۔"

یہ سُن کر عُمرو عیّار روانہ ہُوا۔ آئینۂ سکندری سے اتنا معلُوم ہوا کہ شہزادہ مُلک زر نگار میں کِسی مقام پر بدرہ جادُو گرنی کی قید میں ہے۔ عُمرو عیّار مُلک زر نگار میں آیا اور ایک لونڈی کا بھیس بھر کر ایک ایک مکان کے اندر گیا۔ مگر کہیں بدرہ جادُو گرنی کا پتا نہ پایا۔ سخت پریشان ہُوا کہ یا اللہ اُسے زمین کھا گئی یا آسمان نِگل گیا۔ پھِر ایک غُلام کا رُوپ اختیار کیا اور شہر کے تمام بازاروں اور دکانوں میں پھرتا رہا۔ آخر تھک کر ایک بساطی کی دکان پر جا بیٹھا اور ایک ایک چیز اُٹھا کر دیکھنے لگا۔

بساطی نے کہا "کیوں بھائی، کیا چیز چاہیے؟"

"ارے صاحب، لینا دینا کُچھ نہیں، صرف دیکھنے آیا ہُوں؟" عُمرو نے جواب دِیا۔

یہ سُن کر بساطی نے غور سے عُمرو کو دیکھا اور کہا۔ "صورت شکل سے تو غُلام نظر آتے ہو۔ کیا نوکری کی تلاش ہے؟"

"خُدا آپ کا بھلا کرے۔" عُمرو نے خُوش ہو کر کہا۔ "آپ کہیں نوکری دِلوا دیں تو ساری عمر بال بچّوں کو دُعائیں دُوں گا۔"

"نوکری تو میں دِلوا دُوں لیکن یہ سمجھ لو کہ یہاں حکومت بَدرہ جادُوگرنی کی ہے۔ اُس کی اِجازت کے بغیر کوئی دکاندار مُلازم نہیں رکھ سکتا۔"

"کیوں صاحب، یہ بَدرہ جادُوگرنی رہتی کہاں ہے؟" عُمرو نے پُوچھا۔

"شہر سے بہُت دُور ایک لق و دق صحرا میں اُس نے اپنا مکان بنایا ہے اور اُس کا نام لامکان رکھا ہے۔ اُسی میں رہتی ہے۔ مگر وہاں تک پہنچنا کسی انسان کے بس میں نہیں۔"

عُمرو تھوڑی دیر تک دکان دار سے باتیں کرتا رہا۔ پِھر سلام کر کے رُخصت ہُوا اور شہر سے باہر چلا۔ کئی دِن اور کئی راتیں چلنے کے بعد ایک صحرا دِکھائی دِیا جس میں ریت ہی ریت تھی اور کوئی حیوان یا انسان نظر نہ آتا تھا۔ درخت اور گھاس پھُونس بھی ندارد تھی۔

عُمرو بُہت دِن تک صحرا میں پھرتا رہا۔ جب بھُوک پیاس لگتی، خضر علیہ السّلام کے دیے ہُوئے مشکیزے میں سے پانی پیتا اور کُلچے کے چند نوالے کھا لیتا۔ آخر ایک دِن گھومتے پِھرتے ایک اُونچی ٹیکری پر گیا۔ وہاں ایک غار سا دِکھائی دِیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کالا بھجنگ ایک فقیر بیٹھا مُنہ سے دھوئیں کے بادل اُڑا رہا ہے۔ عُمرو اُس کے قریب پہنچا۔ فقیر نے لال لال آنکھیں گھُما کر کہا:

”ارے بے وقوف، کون ہے اور یہاں کیوں کر آیا؟ جان کی سلامتی چاہتا ہے تو ابھی اُلٹے قدموں واپس چلا جا۔“

عُمرو بیٹھ کر فقیر کے پاؤں دبانے لگا اور خوشامد سے کہا۔ ”جناب، آپ بُہت پہنچے ہُوئے بزرگ معلُوم ہوتے ہیں۔ میری مُشکل آسان کر دیں۔“

”جلد بتا کیا کام ہے؟“

”جناب، قِصّہ یہ ہے کہ میرا ایک ہی لڑکا ہے۔ مگر بڑا شریر ہے۔ کئی دِن ہُوئے اپنی ماں سے لڑ جھگڑ کر گھر سے نِکل گیا ہے۔ اب اُس کی ماں کو دِن رات رونے کے سوا کوئی کام نہیں۔ دانہ پانی سب چھُٹ گیا ہے۔ میں لڑکے کی تلاش میں مارامارا پھر رہا ہُوں۔ مگر اُس کا کہیں پتا نہیں مِلتا۔ اب ایک ایک پیسے کو مُحتاج ہو گیا ہُوں۔“

”دیکھو میاں، یہ مکان بَدرہ جادُوگرنی کا ہے۔ ابھی وُہ آنے والی ہے۔ ہم اُس سے تمہاری مصیبت کا ذکر کریں گے۔ ممکن ہے وُہ کُچھ مدد کر سکے۔“ فقیر نے کہا۔

تب عُمرو اور زور سے فقیر کے پیر دابنے لگا اور ہر طرح خِدمت کرتا رہا۔ آخر رات سر پر آئی۔ عُمرو وہیں سو گیا۔ اگلے روز صُبح آنکھ کھُلی تو کیا دیکھتا ہے کہ صحرا میں ایک خُون ناک اژدھا چلا آتا ہے۔ اُس کے مُنہ سے آگ کے شُعلے نِکل رہے ہیں۔ اژدھے کے سر پر ایک ہَوادار بندھا ہوا ہے جِس میں بیٹھ

قیمت جواہر جڑے ہیں اور اُس ہَوا دار میں بَدرہ جادُوگرنی نہایت شان سے بیٹھی ہے۔ جب اُس کی سواری قریب آئی تو فقیر اور عُمرو عیّار تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ بَدرہ جادُوگرنی نے ایک نِگاہ عُمرو پر ڈالی اور فقیر سے کہنے لگی:

"یہ شخص کون ہے اور کِس لیے یہاں آیا ہے؟"

"یہ بے چارہ ایک مصیبت زدہ ہے۔" فقیر نے ادب سے کہا۔ "اِس کا جوان بیٹا گھر سے چلا گیا اور اب یہ اُس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔"

یہ سُن کر بَدرہ نے ایسا خوفناک قہقہہ لگایا کہ زمین کانپ اُٹھی۔ اُس نے غضب ناک نگاہوں سے فقیر کی طرف دیکھا اور کہا: "ارے بے وقوف، یہ عُمرو عیّار ہے۔"

اب تو عُمرو کے اوسان خطا ہُوئے۔ کچھ اور تو نہ سوجھا۔ جھَٹ کمر سے خنجر نِکال بَدرہ کی طرف لپکا اور ایک ہی وار میں اُس کا سر تن سے جُدا کیا۔ بَدرہ کا سر کٹنا تھا کہ زمین ہلنے لگی۔ اور صحرا میں گھُپ اندھا چھا گیا۔ پھِر ایسی خوف ناک

آندھی آئی کہ خدا کی پناہ۔ بُہت دیر بعد اُجالا ہُوا تو عُمرو نے دیکھا کہ اُسی مقام پر کھڑا ہے۔ سامنے بَدرہ کی لاش پڑی ہے اور وُہ کالا فقیر اُسی طرح بیٹھا ہے۔ تب عُمرو نے اپنا خنجر فقیر کی طرف بڑھایا اور کہا:

"جلد بتا کہ بَدرہ کا مکان کِدھر ہے ورنہ تُجھے بھی قتل کرتا ہُوں۔"

"اے عیّاروں کے بادشاہ، مُجھ پر رحم کر۔" فقیر نے ہاتھ جوڑ کر کہا "میں تُجھے اُس مکان میں لیے چلتا ہُوں۔" یہ کہہ کر وُہ عُمرو کو اپنے ساتھ لے گیا۔

کئی کوس پر ایک عالی شان سُرخ رنگ کی عمارت نظر آئی جِس کی دیواروں پر ہیبت ناک تصویریں بنی تھیں۔ عُمرو اُس مکان میں داخل ہُوا۔ دیکھا کہ چند کنیزیں بال بچھائے بیٹھی ہیں اور بدرہ جادُوگرنی کی موت پر آنسو بہارہی ہیں۔ عُمرو کے ہاتھ میں خنجر دیکھا تو سب کی سب کانپنے لگیں اور اُس کے قدموں میں ِگر پڑیں۔ عُمرو نے للکار کر کہا:

"جلد بتاؤ کہ بَدرہ جادُوگرنی کا خزانہ کہاں ہے ورنہ تمہیں موت کے گھاٹ

اُتارتا ہُوں۔"

کنیزوں کی سردار نے ہاتھ باندھ کر کہا: "اے عُمرو، ہمیں نہ مار۔ ہم بے قصور ہیں۔ جِس وقت تُو نے بَدرہ کو قتل کیا، اُس کا سارا خزانہ خود بخُود جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔"

"کیا تُم بھی جادُو جانتی ہو؟" عُمرو نے پُوچھا۔

"نہیں ہم تو جادُو کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔"

کنیزوں نے جواب دِیا۔ "بَدرہ جادُوگرنی ہماری دیکھ بھال اور پرورش کرتی تھی۔ اِس لیے ہم اُس کی موت پر روتے ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔ اب ہم تمہاری دیکھ بھال کریں گے۔" عُمرو نے کہا۔ "یہ تو بتاؤ شہزادہ شہریار کہاں ہے؟"

"ہم کو بالکل نہیں معلُوم۔" کنیزوں نے جواب دِیا۔

یہ سُن کر عُمرو چُپ ہو رہا۔ پھر اِن کنیزوں کو ساتھ لے کر قلعۂ کابل میں آیا۔ جب امیر حمزہ کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ شہزادہ شہریار وہاں بیٹھا ہے۔ عُمرو حیران ہوا اور پوچھنے لگا کہ "اے شہزادے، تُم کِدھر سے آئے؟ میں تمہاری تلاش میں بھٹکتا پھِر رہا تھا۔" شہریار نے ہنس کر کہا:

"بدرہ جادُوگرنی نے مُجھے قتل نہیں کیا تھا۔ یہ سب جادُو کا کھیل تھا۔ وُہ مجھے اپنے ساتھ لامکان میں لے گئی اور خُوش نما باغ میں رکھا۔ وُہ مُجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر میں نے اِنکار کیا۔ آخر ایک دِن کہنے لگی کہ تین دِن کی مہلت دیتی ہُوں۔ اگر اِس مُدّت میں تُو نے میری بات مان لی تو جان بخش دُوں گی۔ ورنہ زندہ نہ چھوڑوں گی۔ بعد تین دِن کے وُہ آئی تب ایک آندھی مُجھے اُڑا کر یہاں لے آئی۔"

یہ سُن کر عُمرو نے بَدرہ جادُوگرنی کے قتل کا سارا قِصّہ سُنایا اور امیر حمزہ سے کہا "کہ مِٹھائی کھلوائیے، آپ کا بیٹا واپس آ گیا ہے۔"

امیر حمزہ نے عُمرو کر اِس بات کا کوئی جواب نہ دِیا۔ البتہ مُقبِل وفادار رونے

لگا۔ پھِر لِندھور اور بہرام بھی روئے۔ اُس کے بعد عادی پہلوان کی آنکھوں سے بھی ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ یہ دیکھ کر عُمرو سخت حیران ہوا۔ بولا:

"جلد بتاؤ کیا واقعہ پیش آیا ہے ورنہ یہ خنجر اپنے پیٹ میں گھونپ لُوں گا۔"

تب لِندھور نے بتایا کہ ایک شخص سُرمہ بیچتا ہُوا آیا تھا۔ امیر حمزہ نے اُس سے سُرمہ لے کر آنکھوں میں لگایا تو بینائی جاتی رہی۔ اب اِنہیں کُچھ سُجھائی نہیں دیتا۔ یہ سُن کر عُمرو کے کلیجے پر جیسے گھُونسا لگا۔ کہنے لگا، "معلُوم ہوتا ہے یہ بد معاشی بختک کی ہے۔ اچھّا، میں اُس کا کام تمام کرنے جاتا ہُوں۔"

امیر حمزہ نے اُسے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن عُمرو کا رنج کے مارے بُرا حال تھا۔ اُس نے آئینۂ سکندری سے معلُوم کیا کہ بختک نامراد اِس وقت کاشمیر کے ایک جنگل میں ہے۔ عُمرو ہوا کی رفتار سے کاشمیر کی جانب روانہ ہوا۔

اُدھر آدھی رات کو بختک کی آنکھ اچانک کھُلی۔ دیکھا کہ دِل زور زور سے

دھڑک رہا ہے۔ اُٹھ کر پانی پیا مگر دِل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی۔ پھر پسینے چھُوٹنے لگے۔ بختک نہایت بد حواس ہُوا اور جی میں کہنے لگا کہ یہ کیا بات ہے؟ ایسی گھبراہٹ اِس سے پہلے کبھی طاری نہیں ہُوئی تھی۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ مُجھ پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ یہ سوچ کر اُس کا کلیجا بیٹھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وُہ ٹہلنے کے لیے خیمے سے باہر نِکلا۔ اُسی وقت عُمرو عیّار اُسے ڈھونڈتا ہوا وہاں آیا۔ دیکھا کہ بختک اپنے خیمے میں نہیں ہے۔ وُہ بختک کو ڈھونڈنے لگا۔ کُچھ فاصلے پر بختک ٹہل رہا تھا۔ اُس نے قدموں کی آہٹ پا کر گردن اُٹھائی تو دیکھا کہ عُمرو عیّار چلا آتا ہے۔ اب تو بختک کے ہاتھ پاؤں پھُول گئے۔ وہاں سے ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہُوا بھاگا اور شُتر خانے میں پناہ لی۔ شُتر خانے کے داروغہ نے اُسے دیکھا تو سمجھا کوئی چور ہے۔ اپنا سونٹا سنبھال کر آیا اور بختک کی پیٹھ پر برساتے ہُوئے کہنے لگا:

”کیوں بے تُو کون ہے اور کِس ارادے سے آیا ہے؟ نِکل یہاں سے۔“

تب بختک وہاں سے فرار ہُوا اور شہر میں آیا۔ خُدا کی مخلوق غافل پڑی سوتی

تھی۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ ایک مکان میں چراغ ٹمٹماتا ہُوا نظر آیا۔ وُہ اسی مکان میں جا گھُسا۔ وہاں ایک بڑھیا بیٹھی چکّی پِیس رہی تھی۔ بختک نے جلدی سے اشرفوں کا ایک توڑا اُس کے آگے پھینکا اور بھرّائی ہُوئی آواز میں بولا:

"بڑی امّاں، ایک دُشمن میرے پیچھے لگا ہے۔ میں تمہارے مکان میں پناہ لینے آیا ہُوں۔ مُجھے جلدی سے کہیں چھُپا دو، ورنہ جان سے مارا جاؤں گا۔"

بڑھیا نے اشرفیاں دیکھیں تو بے حد خُوش ہُوئی۔ جلدی سے بختک کو ایک اندھیری کوٹھڑی میں چھپایا اور باہر سے قُفل لگا دِیا۔ پھِر خُود چکّی پیسنے بیٹھ گئی۔ اُدھر عُمرو عیّار بھی کھوج لگاتا ہُوا اُس مکان تک آیا۔ دہلیز کی مٹّی پر قدموں کے نِشان صاف نظر آئے۔ سمجھ گیا کہ بختک اِسی مکان میں ہے۔ تب پُکار کر کہنے لگا:

"اِس محلّے کے رہنے والوں کو خبردار کیا جاتا ہے کہ ایک چور شاہی محل سے اشرفیاں چُرا کر بھاگا ہے۔ بادشاہ نے حکم دِیا ہے کہ جِس گھر سے چور پکڑا جائے گا۔ اُس میں رہنے والے سبھی آدمیوں کو پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔"

بُڑھیا نے یہ آواز سُنی تو ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگی۔ اُسی وقت اُٹھ کر باہر نِکلی اور عُمرو سے کہنے لگی۔ ''وُہ چور جِس کی تمھیں تلاش ہے، میرے مکان میں چھُپا ہُوا ہے۔ اُس نے اشرفیاں بھی مُجھے دی ہیں؟''

''لاؤ وُہ اشرفیاں میرے حوالے کرو۔'' عُمرو نے کہا۔

یہ سُن کر بڑھیا نے سب اشرفیاں عُمرو کو دیں۔ پھِر کوٹھڑی کا تالا کھول کر کہا۔ ''چور اِس کے اندر بند ہے۔ جاؤ اُسے پکڑ لو۔ مگر خُدا کے واسطے بادشاہ سے یہ نہ کہنا کہ چور میرے مکان سے پکڑا گیا ہے۔''

عُمرو کوٹھڑی میں گیا۔ دیکھا کہ بختک نامراد ایک کونے میں اُکڑوں بیٹھا تھر تھر کانپ رہا ہے۔ عُمرو نے اُس کی چوٹی پکڑ کر گردن اُٹھائی اور ہنس کر کہا:

''مجھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔ اب اپنے اگلے پچھلے سب گناہوں کی معافی مانگ لے، کیوں کہ سورج نکلنے سے پہلے میں تُجھے ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سُلا چکا ہُوں گا۔''

بختک عُمرو کے قدموں پر گرا اور کہنے لگا "بھیّا عُمرو، اِس مرتبہ مُجھے معاف کر دو۔ وعدہ کرتا ہُوں کہ آئندہ کوئی شرارت نہ کروں گا۔"

"نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔" عُمرو نے ایک لات اُس کی پیٹھ پر جماتے ہُوئے کہا۔ "اِس مرتبہ تُونے ایسا کام کیا ہے کہ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی ہے۔ امیر حمزہ کی آنکھوں میں نیل کی سلائیاں پھروادیں اور وُہ اندھے ہو گئے۔ اِس جُرم کی سزا مَوت ہے۔"

پھر عُمرو اُسے گھسیٹتا ہُوا اپنے ساتھ قبرستان میں لے گیا اور کہا۔ "وُہ پھاوڑا سامنے پڑا ہے۔ اُسے اُٹھاؤ اور اپنی قبر کھودو۔ ذرا گہری کھودنا۔ مُجھے شک ہے کہ مرنے کے بعد بھی قبر سے باہر نِکل آؤ گے؟"

بختک روتا اور قبر کھودتا جاتا تھا۔ کبھی کبھی ہاتھ جوڑ کر معافی بھی مانگنے لگتا۔ مگر ہر بار عُمرو کے طمانچے اُس کا مُنہ لال کر دیتے۔ جب قبر کھُد کر تیّار ہو گئی تو عُمرو نے بختک کو بکرے کی طرح پچھاڑ کر اپنا خنجر اُس کے گلے پر رکھا اور گردن کاٹنا چاہتا ہی تھا کہ یکایک پیچھے سے آواز آئی:

"اے عُمرو یہ کیا کرتا ہے۔ اِسے رہا کردے۔"

عُمرو نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک نورانی صورت کے بزُرگ کھڑے مُسکرا رہے تھے۔ عُمرو نے کہا:

"بڑے میاں، جاؤ اپنا کام کرو، میں اب کِسی کی سفارش نہ سُنوں گا۔ اِس موذی نے ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ آج اِس کا قِصّہ پاک کر کے رہُوں گا۔"

"ٹھہرو۔۔۔۔ جلد بازی نہ کرو۔" بزرگ نے ڈانٹا۔ "ابھی اِس کی موت کا وقت نہیں آیا ہے۔"

"حضرت آپ کون ہیں؟" عُمرو نے حیرت سے پُوچھا۔

تُم ہمیشہ مُجھے بھُول جاتے ہو۔" بزرگ نے مُسکرا کر کہا۔ "میرا نام نوح ہے۔ اب تُم بختک کو یہیں چھوڑو اور امیر حمزہ کی خبر لو۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اُن کی آنکھیں ٹھیک کر دی ہیں۔"

یہ سُن کر عُمرو بے حد خُوش ہُوا۔ حضرت نوحؑ کے قدموں کو بوسہ دِیا۔ پھر

بختک کو اُٹھا کر اُس کی کمر پر دو لاتیں اِس زور سے جمائیں کہ وُہ لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا۔ وُہ گرتے اُٹھا اور اِس بُری طرح بھاگا کہ مُڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اِتنے میں نوحؑ غائب ہو گئے۔

عُمرو عیّار وہاں سے چلا اور سیدھا اپنے لشکر میں آیا۔ دیکھا کہ امیر حمزہ کی بینائی لوٹ آئی ہے اور وُہ خُوش و خُرّم ہیں۔ عُمرو نے اُسی وقت دھُوم دھام سے جشنِ نوروزی منانے کا حکم دیا۔

امیر حمزہ کی گرفتاری

امیر حمزہ کی آنکھوں میں جب روشنی آئی اور جشنِ نوروزی ختم ہوا تو اُنہوں نے سب دوستوں کو جمع کیا اور کہا۔ ”اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے میدان میں نِکلیں۔ نوشیرواں، بختک، ژوپین، بیزن اور بہمَن نے ہمیں بے حد ستایا ہے۔ اُن لوگوں نے ہماری ملکہ شہزادی مِہر نگار کو بھی موت کے گھاٹ اتار دِیا۔ اُن کا یہ مجرم معافی کے قابِل نہیں۔ ہمیں معلُوم ہوا ہے کہ ہمارے دشمن آج کل مُلک کاشمیر میں جمع ہیں اور نئی نئی سازشیں کر رہے ہیں۔ خُدا نے چاہا تو ایک آدھ دِن میں ہم کاشمیر کی جانب کُوچ کریں گے۔“

امیر حمزہ کے اِس اعلان پر لشکر میں خُوشی کی زبردست لہر دوڑ گئی۔ اور سپاہی

اپنے اپنے ہتھیار صاف کرنے لگے۔ اُدھر نوشیر واں جب کاشمیر میں داخل ہُوا تو وہاں کا حاکم خضران شاہ اُس کے استقبال کو آیا اور اُس کو نہایت شان و شوکت سے اپنے تخت پر بٹھایا۔ پھِر پُوچھا کہ جہاں پناہ نے کیوں کر زحمت فرمائی۔ تب بختک مکّار نے اوّل سے آخر تک سارا ماجرا سُنایا۔ خضران شاہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھِر کہنے لگا:

"جہاں پناہ کا اقبال بلند ہو۔ امیر حمزہ کا مقابلہ کرنا سخت دُشوار ہے۔ بہر حال میں آپ کا خادم ہُوں۔ ابھی اپنے دوست کاشغر کے حاکم مرزُوق جادُوگر کو خط لکھتا ہُوں۔ وُہ شاید امیر حمزہ کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر کر سکے۔"

خضران شاہ نے اُسی وقت مرزُوق جادُوگر کو خط لکھا کہ شہنشاہ ہفت کشور نوشیر واں، امیر حمزہ سے عاجز ہو کر اور شکست کھا کر بھاگتے بھاگتے یہاں آیا اور اب مُجھ سے مدد مانگتا ہے۔ میرا یہ خط دیکھ کر اپنا لاؤ لشکر لے کر کاشمیر پہنچو۔ ایسا نہ ہو کہ امیر حمزہ یہاں تُم سے پہلے پہنچ جائے۔

قاصد تو یہ خط لے کر مرزُوق کی طرف روانہ ہُوا اور اُدھر ژوپین اور بیزن

نے بھی اپنے دوستوں کو خط لکھے کہ فوراً پہنچیں۔ اُن میں سے ایک کا نام سُلطان سر برہنہ، دُوسرے کا تپش دِیوانہ اور تیسرے کا پیر فرخاری تھا۔

یکایک ہرکاروں نے غُل مچایا کہ امیر حمزہ کا لشکر آتا ہے۔ یہ خبر سُنتے ہی نوشیرواں کے ہوش اُڑے۔ جسم تھر تھر کانپنے لگا اور چہرے پر مُردنی سی چھا گئی۔ بدحواس ہو کر چلّا اُٹھا:

"اب کیا ہو گا۔ ہم کُتّے کی موت مارے جائیں گے؟"

خضران شاہ بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر حیران ہُوا کہ ایسا بُزدل شخص شہنشاہ کہلاتا ہے۔ لیکن یہ موقع ایسا نہ تھا کہ نوشیرواں کی ہنسی اُڑاتا۔ اُسی وقت اپنے غلاموں کو بُلا کر حکم دِیا کہ طبلِ جنگ بجایا جائے تا کہ امیر حمزہ سمجھے کہ ہم بھی جنگ کے لیے تیّار ہیں۔ جب طبلِ جنگ زور شور سے بجنے لگے اور اُن کی دھمک سے شہر کی فصیلیں کانپ اُٹھی تب نوشیرواں کے ہوش ٹھکانے آئے۔

اُدھر مُخبروں نے امیر حمزہ کو خبر دی کہ خضران شاہ کے لشکر میں طبلِ جنگ بج

رہا ہے۔ امیر نے حکم دِیا کہ ہمارے ہاں بھی نقّارے اور ڈھول تاشے پوری قُوّت سے بجائے جائیں تا کہ اُن کی ہیبت دشمن کے دِل میں طاری ہو۔ نقارۂ سکندری پر جب چوٹ پڑی اور اُس کی آواز کوسوں میلوں تک گئی تو دوستوں کا دِل شاد ہُوا اور دُشمنوں پر خُوف چھا گیا۔

اگلے روز صُبح سویرے امیر حمزہ کا لشکر کشمیر کے قلعے کے سامنے پہنچا اور جنگ کے لیے صفیں باندھ لیں۔ پھر امیر حمزہ نے اپنے ہتھیار بدن پر سجائے اور اشقر دیو زاد پر سوار ہو کر میدان میں نکلے۔ خضران شاہ، ژوپین، بیژن اور بہمَن کی فوجیں بھی مقابلے کے لیے آ گئیں۔ لیکن اِن سب کو اب مرزُوق جادُوگر کی آمد کا انتظار تھا، اچانک گرد کا ایک عظیم بادل مغرب کی جانب سے اُٹھا اور قریب آن کر جب چھٹا تو اُس میں سے مرزُوق جادُوگر کا لشکر نِکلتا دِکھائی دِیا۔ خضران شاہ کی فوج نے خُوش ہو کر نعرے لگائے۔ امیر حمزہ اور اُن کے دوستوں نے دیکھا کہ مرزُوق جادُوگر ایک عالی شان تخت پر بیٹھا ہے اور دائیں بائیں چالیس ہزار جادُوگر سر جھُکائے ساتھ ہیں۔ جادُوگر کی آنکھیں

انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں اور سیاہ چہرے پر غیظ و غضب اور نفرت کے آثار تھے۔

خضران شاہ کی درخواست پر نوشیرواں خُود مرزُوق کے استقبال کو گیا۔ اُس نے تخت سے اُتر کر بادشاہ کے سامنے گردن جھُکالی اور کہا۔ ”اے بادشاہ، کیا حال ہے؟ اِس غلام کو کیوں طلب فرمایا؟“ تب بختک بے حیا نے سارا قِصّہ نمک مِرچ لگا کر بیان کیا اور آخر میں کہا:

”امیر حمزہ کے دوست عُمرو عیّار نے ہمارا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ دِن کا چین اور رات کی نیند اُس کی وجہ سے حرام ہو گئی ہے۔ کِسی طرح باز نہیں آتا۔ اُسی نے شداد جادُوگر کے شاگرد کو مارا تھا اور اب کہتا ہے کہ میرے سامنے موت کی کیا بساط ہے۔“

مرزوق نے بختک کی یہ باتیں سُنیں تو غُصّے سے سانپ کی طرح پھنکارنے لگا اور سمنکال جادُوگر کو طلب کر کے حکم دِیا کہ جلد جاؤ اور امیر حمزہ کے لشکر کا خاتمہ کر۔ سمنکال جادُوگر اپنے آقا کا حکم پاتے ہی میدانِ جنگ میں نمودار ہوا اور

پُکار کر کہا:

"میں امیر حمزہ کی موت بن کر آیا ہُوں۔ ہمّت ہے تو سامنے آئے۔"

امیر حمزہ نے اُسی وقت اشقر دیو زاد کو ایڑ لگائی اور سمنکال جادُو کے سامنے آن کھڑے ہُوئے۔ تب اُس جادُو گر نے اپنی جیب سے رائی، مٹر اور سرسوں کے دانے نِکالے اور ہتھیلی پر رکھ کر منتر پڑھنے شروع کئے۔ پھِر یہ دانے امیر حمزہ پر کھینچ مارے۔ اُدھر امیر حمزہ بھی چُپکے چُپکے اسمِ اعظم پڑھ رہے تھے اِس لیے سمنکال جادُو کے منتر پڑھے ہُوئے دانے اُس کے جسم سے لگ کر زمین پر گِرے اور کُچھ اثر نہ ہُوا۔ اب تو سمنکال جادُو کی سِٹّی گُم ہُوئی۔ پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ میدان سے بھاگنا چاہا لیکن امیر حمزہ نے بھاگنے کا موقع نہ دِیا۔ قریب آن کی تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ سمنکال جادُو کا جسم دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گِرا اور چند لمحے تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔ اُس کے مرتے ہی زمین آسمان میں ایک غُل مچا اور تاریکی چھا گئی۔ پھِر اُس تاریکی میں سے ایک آواز اُبھری کہ میرا نام سمنکال جادُو تھا۔ افسوس کہ آج امیر حمزہ کے ہاتھ سے مارا

گیا۔ اُس آواز کے ساتھ ہی اندھیرا دُور ہُوا اور ہر طرف دِن کی روشنی پھیل گئی۔

مرزُوق جادُوگر نے اب اپنے ایک اور طاقت ور شاگرد ولیمان جادُو کو طلب کیا اور حکم دِیا کہ تُو میدان میں جا اور امیر حمزہ کو قتل کر دے۔ ولیمان جادُو غُرور سے قدم رکھتا ہُوا چلا اور میدان میں آ کر امیر حمزہ کے سامنے رُکا۔ پھِر جیب سے ایک سیاہ ناریل نِکال کر اسمِ سحر پڑھا اور وُہ ناریل حمزہ پر پھینکا۔ امیر نے اُس اثنا میں اسمِ اعظم کا ورد کر لِیا تھا۔ اِس اِسم کی برکت سے وُہ ناریل نہ پھٹا اور بے کار گیا۔ امیر حمزہ نے وہی خُون آلود تلوار ولیمان کے سر پر ماری۔ وُہ بھی دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گِرا۔

یہ ماجرا دیکھ کر بختک بد حواس ہوا اور نوشیر واں سے کہنے لگا۔ "امیر حمزہ کے پاس اسمِ اعظم ہے۔ اُس کی وجہ سے کوئی جادُو اُن پر اثر نہ کرے گا۔ بہتر ہے فوجوں کی واپسی کا طبل بجوایا جائے ورنہ سب جادُوگر مارے جائیں گے۔"

نوشیر واں نے خضران شاہ سے یہ بات کہی اور اُس نے فوراً! واپسی کا طبل

بجوایا۔ دونوں فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ پر چلی گئیں۔ اِدھر خضران شاہ، مرزُوق، نوشیرواں، بہمَن، بختک، ژوپین اور بیزن آپس میں باتیں کرنے لگے۔ بختک نے مرزُوق سے کہا:

"جب تک حمزہ سے اسمِ اعظم نہ چھین لیا جائے گا۔ اس وقت تک اس پر قابو پانا محال ہے۔"

"بہت بہتر۔۔۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ حمزہ سے اسمِ اعظم چھین لوں۔" مرزُوق نے کہا۔ پھر اپنے خیمے میں پہنچ کر مرزبان کو بلایا اور کہنے لگا:

"میرے شاگردوں میں تو سب سے زیادہ عیّار ہے۔ جا اور کسی طرح حمزہ کو گرفتار کر کے لا۔"

رات ہوئی تو مرزبان امیر حمزہ کے لشکر میں گیا اور ایسا منتر پڑھا کہ سارا لشکر گہری نیند سو گیا۔ تب مرزبان خُوش خُوش امیر حمزہ کے خیمے میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ وہ جاگتے ہیں۔ گھبرا کر منتر پڑھنے لگا تا کہ امیر حمزہ بھی سو جائیں۔ مگر

انہوں نے مرزبان کو دیکھ کر اور اسمِ اعظم پڑھ کر للکارا کہ "تُو کون ہے؟ سامنے آ۔۔۔" امیر حمزہ کی آواز سُن کر مرزبان کے اوسان خطا ہوئے۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور قلعۂ کاشمیر میں آ کر دم لِیا۔ مرزُوق نے پوچھا:

"حمزہ کو گرفتار کر کے نہیں لائے؟"

"جناب، میری توبہ۔ میرے باپ کی توبہ۔؛ مرزبان نے دونوں کان پکڑتے ہوئے جواب دیا۔ "ان کے پاس اسمِ اعظم ہے جس کی وجہ سے کوئی جادُو ان پر اثر نہیں کرتا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا ہُوں۔"

اُسی وقت مرزُوق کے دو اور شاگرد وہاں آئے اور اُنہوں نے بھی یہ قِصّہ سُنا۔ ایک کا نام آشکار جادُو اور دُوسرے کا افکار جادُو تھا۔ یہ دونوں اکڑ کر کہنے لگے، ہم جاتے ہیں اور امیر حمزہ کی گردن ناپتے ہیں۔ مرزُوق نے اُنہیں اِجازت دے دی۔ یہ دونوں خُوب صُورت پرندوں کی شکل میں اُڑتے ہُوئے امیر حمزہ کے لشکر میں گئے اور اُن کے روشن دان میں بیٹھ کر جادُو کرنا شروع کیا۔ حمزہ اُس وقت سو رہے تھے۔ یکایک اُن کی آنکھ کھُلی تو جسم میں آگ لگتی ہوئی

محسوس ہُوئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دو پرندے روشن دان میں بیٹھے گانا گا رہے ہیں۔ حمزہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ جادُوگر ہیں۔ اُسی وقت اسمِ اعظم پڑھ کر اپنی کمان اُٹھائی اور اُس میں تیر جوڑ کر ایسا مارا کہ ایک پرندے کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ وُہ قلابازیاں کھاتا ہُوا نیچے گِرا اور مر گیا۔ دُوسرا پرندہ اُڑ کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

پرندے کے گِرتے ہی ایک عجیب واقعہ ہوا۔ جُوں ہی اُس کا دَم نِکلا، وُہ پرندے سے ایک سیاہ فام آدمی کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ حمزہ نے عُمرو عیّار کو آواز دی۔ وُہ دوڑا دوڑا آیا اور آتے ہی اپنے خنجر سے اُس کی گردن کاٹ ڈالی۔

اُدھر آشکار جادُو پھڑ پھڑاتا ہوا اپنے استاد مرزُوق جادُوگر کے پاس پُہنچا اور افکار جادُو کے مرنے کی خبر سُنائی۔ مرزُوق کے طیش کی انتہا نہ رہی۔ جلال میں آ کر کہنے لگا:

"اب میں خود حمزہ کے لشکر میں جاتا ہوں۔ اگر اُسے گرفتار کر کے نہ لایا تو میں

جان دے دوں گا۔"

سب سے پہلے مرزُوق نے جنگل سے ایک گیدڑ منگوایا۔ اُسے ہلاک کر کے اُس کا خُون اپنے جسم پر ملا۔ پھر آگ کا ایک بڑا الاؤ دہکایا۔ اَس الاؤ میں کافور ملایا اور بار بار گیدڑ کے خُون کے چھینٹے دیتا رہا۔ اُس کے بعد منتر پڑھنے شروع کیے۔ اچانک مُردہ گیدڑ زندہ ہو کر مرزُوق کی طرف بڑھا۔ مرزُوق نے فوراً اپنی انگلی کاٹ کر خُون کے چند قطرے گیدڑ کے مُنہ میں ٹپکائے۔ پھر بلّور کی ایک بوتل گیدڑ کے سامنے کر کے کہنے لگا:

"میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ حمزہ کا اسمِ اعظم چھِین کر اس بوتل میں اُتر جا۔"

مرزُوق کی زبان سے یہ الفاظ نکلنے کی دیر تھی کہ وہ گیدڑ بلّور کی بوتل میں سما گیا۔ مرزُوق نے بوتل کا مُنہ بند کیا اور اُسے ایک طاق میں رکھ دیا۔ پھر اپنے آپ کو ایک بہت بڑے گِدھ کی صورت میں تبدیل کر کے اُڑتا ہوا امیر حمزہ کے لشکر کی طرف گیا۔ وہاں پہنچ کر ایسا منتر پڑھا کہ سب لشکر غافل ہو گیا۔ حتیٰ کہ حمزہ بھی بے خبر سو گئے۔ تب مرزُوق نے اپنے بڑے بڑے پنجوں میں

اُنہیں دبایا اور لے اُڑا۔ قلعہ کاشمیر میں آکر وُہ اپنی اصلی صورت پر آیا اور غُلاموں کو بُلا کر حکم دِیا کہ اِس شخص کو زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے میں پھینک دو اور دِن رات پہرہ دو۔

اگلے روز نوشیرواں نے جب دربار لگایا اور امیر حمزہ سے جنگ کرنے کی تدبیروں پر غور ہونے لگا تو مرزُوق دربار میں آیا اور نوشیرواں کو سلام کرنے کے بعد کہنے لگا:

"جہاں پناہ کا اقبال بلند ہو۔ یہ غُلام رات کو حمزہ کے لشکر میں گیا اور اُسے چُوہے کی طرح پکڑ کر لے آیا۔"

یہ سُن کر بختک خُوشی کے مارے اُچھل پڑا اور چلّا کر بولا۔

"اے مرزُوق، آفرین ہے تُجھ پر اور تیرے کمال پر۔۔۔ جلد بتا کہ حمزہ کہاں ہے؟"

"قلعے کے قید خانے میں بے ہوش پڑا ہے۔"

نوشیر واں نے مرزُوق کو قریب بُلا کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دِیا اور تخت پر اپنے برابر بٹھایا۔ ایسی عِزّت افزائی آج تک کِسی کو نہ ہوئی تھی، مرزُوق بے حد خُوش تھا۔ اُسی وقت چند غُلاموں کو قید خانے میں بھیجا تا کہ امیر حمزہ کو دربار میں لے آئیں۔ تھوڑی دیر بعد غُلام اُنہیں لے آئے۔ امیر حمزہ اُس وقت تک بے خبر سورہے تھے۔ مرزُوق نے مُنہ ہی مُنہ میں

کوئی منتر پڑھا اور امیر حمزہ کے چہرے پہ پھُونکا۔ اس پر انہوں نے کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔ پھر حیرت سے اپنے اِرد گِرد دیکھا اور نوشیر واں کو پہچان کر سلام کیا۔ نوشیر واں غرور سے مُسکرایا اور کہنے لگا:

"اے حمزہ، تجھے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ دیکھا، ہم نے تجھے کس طرح پکڑ لیا۔ اب بول تیرے ساتھ کیاسوک کیا جائے؟"

"اے نوشیر واں، جو تجھ سے ہو سکے۔ اِس میں ہر گز کوتاہی نہ کیجیو۔ میرا خدا مجھے بچانے والا ہے؟"

نوشیر واں یہ سن کر غضب میں آیا اور کہنے لگا۔ "میں ابھی جلّاد کو بُلا کر تیرا سر قلم کراتا ہوں۔"

یکایک بختک اُٹھ کہ نوشیر واں کے پاس گیا اور اُس کے کان میں کہنے لگا۔ "حضور، ابھی حمزہ کو قتل نہ کیجیے۔ ورنہ عُمرو عیّار ہم سب کو پریشان کرے گا۔ بہتر یہ ہے کہ کسی تدبیر سے عُمرو عیّار کو بھی پکڑوایئے اور پھر اِن دونوں کی گردن ایک ہی وقت میں اُڑوا دیجیے۔"

بختک کی یہ بات نوشیر واں کو جی جان سے پسند آئی۔ مرزُوق جادُوگر نے بھی اِس تدبیر کی داد دی اور کہا۔ "میں حمزہ کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔ اس کے بعد مرد کو پڑھنے کی کوشش کروں گا اور جب عُمرو میرے ہتھّے چڑھ جائے گا تو اِن دونوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر دُوں گا۔"

"تُم ٹھیک کہتے ہو۔ ایسا ہی کیا جائے۔" نوشیر واں نے کہا۔

مرزُوق جادُوگر امیر حمزہ کو ساتھ لے کر کاشغر کی جانب روانہ ہو گیا۔ اب ذرا

امیر حمزہ کے لشکر کا حال سُنیے کہ اُس پر کیا بیتی۔

دوپہر کے وقت سب کو ہوش آیا تو غُل مچا کہ امیر حمزہ غائب ہیں۔ بُہت تلاش کیا مگر کُچھ پتا نہ پایا۔ لندھور، عادی پہلوان، سُلطان بخت مغربی، استفتانوش اور صدف نوش، بہرام اور مُقبِل وفادار کا روتے روتے بُرا حال تھا۔ عُمرو عیّار تو دیوانوں کی طرح امیر حمزہ کو ڈھونڈتا پھِر رہا تھا۔ آخر اُس نے سوچا کہ یہ بختک کی بد معاشی ہے۔ اُس نے جادُو کے زور سے حمزہ کو گرفتار کرایا ہو گا۔ یہ خیال آتے ہی عُمرو روانہ ہوا اور سیدھا بختک کی قیام گاہ پر پہنچا۔ آدھی رات ہو چُکی تھی اور بختک بستر پر پڑا خرّاٹے لے رہا تھا۔ عُمرو نے ٹہوکا دیا تو اُس کی آنکھ کھُلی۔ چراغ کی مدھم روشنی میں دیکھا کہ عُمرو عیّار سینے پر چڑھا بیٹھا ہے۔ خوف کے مارے گھگھّی بندھ گئی۔ بولا:

"عُمرو بھائی، کیسے تکلیف فرمائی آپ نے؟"

"سچ بتا امیر حمزہ کہاں ہیں؟ اگر ذرا بھی جھُوٹ بولا تو گلا گھُونٹ دُوں گا۔"

”ایان سے کہتا ہوں، مجھے معلوم نہیں۔“ بختک نے کہا۔

یہ سن کر عُمرو کا پارہ چڑھ گیا۔ ایک گھونسا بختک کی کھوپڑی پر مارا اور کہا۔ ”میں کہتا ہوں سچ سچ بتا دے ورنہ تیری کھوپڑی پاش پاش کر دوں گا اور بدن کی بوٹیاں کر کے چیل کوؤں کو کھلاؤں گا۔“

یہ کہہ کر عُمرو نے خنجر نکال لیا۔ اب تو بختک کی رہی سہی قوّت بھی جواب دے گئی۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ ”بھائی عُمرو، مجھے نہ مارو۔ ابھی بتاتا ہوں۔ امیر حمزہ کو مرزُوق جادُوگر گرفتار کر کے کاشغر لے گیا ہے۔“

”تو نے پہلے ہی یہ بات کیوں نہ بتائی؟“ عُمرو نے طمانچے مار مار کر بختک کا منہ لال کیا۔ پھر اُس کے ہاتھ پیر باندھے۔ حلق میں کپڑا ٹھونسا اور وہاں سے چلا۔ دن رات منزلیں طے کرتا ہوا کاشغر آیا اور سیدھا مرزُوق کے محل کا رُخ کیا۔ محل کے دروازے پر کیا دیکھتا ہے کہ لوہے کا پنجرا رکھا ہے اور اُس میں کالے رنگ کی ایک بہت بڑی بلّی بند ہے۔ جوں ہی عُمرو نے محل کے دروازے میں قدم رکھا، بلّی نے اپنی سبز آنکھیں گھمائیں اور چیخنے لگی:

”پکڑو۔۔۔ پکڑو۔۔۔ عُمرو عیّار آیا۔۔۔ عُمرو عیّار آیا۔۔۔“

بلّی کی یُوں چیخ پُکار سے عُمرو بے حد ڈرا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پھِر اندر جانے کا ارادہ کیا تھا کہ بلّی چِلّا اُٹھی۔ ”پکڑو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پکڑو۔۔۔۔۔۔۔ جانے نہ پائے۔۔۔ یہ عُمرو عیار ہے۔“

اب تو عُمرو سخت پریشان ہُوا۔ سمجھ گیا کہ مرزُوق نے جادُو کی یہ بلّی پہرا دینے کے لیے دروازے پر بٹھائی ہے اور اُس کی نظروں سے چھُپ کر محل کے اندر جانا آسان نہ ہو گا۔ کئی مرتبہ وُہ اپنی صورت بدل بدل کر آیا، مگر ہر مرتبہ بلّی نے اُسے پہچان کر غُل غپاڑہ مچادِیا۔ آخر عُمرو نے تنگ آ کر وُہ پنجرا بلّی سمیت اپنی زنبیل میں ڈالا اور محل کے اندر گھُس گیا۔ لیکن اِس اِثنا میں پہرے داروں اور سپاہیوں کو پتا چل چکا تھا کہ عُمرو عیّار محل میں داخل ہو چکا ہے۔ اُنھوں نے فوراً مرزُوق جادُوگر کو خبر کی۔ مرزُوق نے جادُو کے زور سے محل کے دروازے بند کر دیے۔ اُس کے بعد تمام شاگردوں کو حُکم دِیا کہ عُمرو کو

تلاش کریں۔ اب تو عُمرو بد حواس ہُوا۔ اِدھر اُدھر چھپنے کی کوشش کی مگر کام یاب نہ ہو سکا۔ مرزُوق کے شاگردوں نے اُسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ مجبور ہو کر عُمرو نے اپنا خنجر نِکالا اور لڑنے لگا۔ بُہت سے جادُو گروں کو قتل کیا۔ آخر مرزُوق نے ایسا منتر پڑھا کہ عُمرو کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ تب جادُو گروں نے اُسے زنجیروں میں جکڑ دیا۔

مرزُوق نے فوراً حکم دیا کہ امیر حمزہ کو بھی لایا جائے تا کہ اِن دونوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے نوشیرواں کو اِطّلاع دُوں کہ دُشمن مارے گئے اور اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔

چند لمحے بعد عُمرو نے دیکھا کہ امیر حمزہ بھی زنجیروں میں بندھے ہوئے خُونی میدان میں لائے گئے۔ پھر مرزُوق نے تلوار میان سے کھینچی اور اُن دونوں کی طرف بڑھا۔ اِدھر عُمرو اور امیر حمزہ نے خُدا کی بارگاہ میں دُعا کی۔ یکایک آسمان پر ایک تڑاکا سا ہوا، بجلی چمکی اور مرزُوق جادُوگر نے دیکھا کہ عذرا پری ہزاروں دیوؤں کو ساتھ لیے نیچے اُتر رہی ہے۔ پلک جھپکتے میں کوہ قاف کے

دیوؤں کی یہ فوج زمین پر اُتری اور اُس نے جادُوگروں کو قتل کرنا شروع کیا۔ مرزُوق جادُوگر کے حواس جواب دے گئے اور اُس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر عذرا پری نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ مرزُوق کی کھوپڑی دو حصّوں میں تقسیم ہوگئی۔ مرزُوق کے مرتے ہی کاشغر پر سیاہ آندھی آئی اور اس آندگی میں سے ایک گرج دار آواز یہ کہتی سنائی دی:

"میرا نام مرزُوق جادُوگر تھا۔ افسوس کہ آج کوہ قاف کی ملکہ عذرا پری کے ہاتھوں مارا گیا۔"

جب سب جادوگروں کا صفایا ہوا تو عذرا پری نے امیر حمزہ اور عُمرو عیّار کو زنجیروں سے آزاد کیا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگی۔ "اِتّفاق کی بات ہے کہ میں اِدھر سے گزر رہی تھی۔ نیچے نگاہ ڈالی تو یہ منظر دکھائی دیا۔"

"میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں عذرا پری۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "ورنہ آج مرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ خُدا نے بروقت تمہیں مدد کے لیے بھیج دیا۔"

”میری فوج نے تمام جادوگروں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ مرزُوق مردود کو میں نے اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔“ عذرا پری نے کہا۔ ”اب اجازت چاہتی ہوں۔“

”ٹھہرو، کہاں جاتی ہو۔ ہم ایک تحفہ تمہیں دیتے ہیں۔ اِسے ساتھ لیتی جاؤ۔“ عُمرو نے کہا۔ “پھر زنبیل میں ہاتھ ڈال کر لوہے کا پنجرا نکالا جس میں کالی بلّی بند تھی۔ عذرا پری کو دیکھتے ہی بلّی خُوف زدہ ہو کر پنجرے میں دُبک گئی۔ عُمرو نے پنجرے کا دروازہ کھول کر بلّی کو پکڑ لیا اور کہنے لگا:

”خالہ جان ! اب ڈرتی کیوں ہو؟ تم نے مجھے بہت ستایا ہے۔ چیخ چیخ کر کہتی تھیں۔ پکڑو۔۔۔ پکڑو۔۔۔ یہ عُمرو عیّار ہے۔۔۔ بولو تمہارا کیا حشر کیا جائے؟“

بلّی نے ہلکی سی میاؤں کی آواز نکالی پھر عُمرو کے ہاتھ سے چھُٹ کر زمین پر گری۔ اور لوٹ پوٹ کہ ایک حسین شہزادی

تبدیل ہو گئی۔

”خُدا کی پناہ۔۔۔“عُمرو چلّایا۔”اے لڑکی تُو کون ہے؟“

”میں مرزُوق جادُوگر کی بیٹی مرزُوق ہُوں۔“لڑکی نے جواب دیا۔

”کیا تُو بھی جادُوگرنی ہے؟“امیر حمزہ نے پُوچھا۔

”جی نہیں۔ میں نے اپنے باپ کی ہزار کوشش کے باوجود جادُو سیکھنے سے انکار کر دِیا تھا۔ اِس کی یہ سزا ملی کہ اُس نے مُجھے بلّی بنا کر لوہے کے پنجرے میں بند کیا اور محل کے دروازے پر رکھ دِیا۔ اب کئی برس بعد میں اپنی اصل شکل پر آئی ہُوں۔“

”اے مرزُوق، تُو دین، ابراہیمی پر ایمان لے آ تو ہم تُجھے اپنے ساتھ رکھیں گے اور مرزُوق کی حکومت تجھے سونپ دیں گے۔“

”میں دینِ ابراہیمی پر ایمان لاتی ہُوں۔“مرزُوق نے کہا۔

تب امیر حمزہ نے اُسے کلمہ پڑھایا اور نہایت دھُوم دھام سے کاشغر کی سلطنت اُس کے سپُرد کی۔ عذرا پری امیر حمزہ سے رخصت ہو کر کوہ قاف کی

جانب روانہ ہُوئی اور امیر حمزہ نے عُمرو سے کہا:

"اب مُجھے نوشیر واں کی خبر لینی چاہیے۔ جب میں مرزُوق کی قید میں تھا تو پتا چلا تھا کہ نوشیر واں کی مدد کے لیے سُلطان سر برہنہ اور تپش دِیوانہ ایک عظیم لاؤلشکر کے ساتھ آئے ہیں۔ میں اُن کی قُوّت کا امتحان لینا چاہتا ہُوں؟"

"بے شک، اب اِن بدبختوں کا خاتمہ کر دینا ہی مناسب ہے۔" عُمرو نے جواب دِیا۔

تب یہ دونوں کاشغر سے چلے اور دِن رات سفر کرتے ہُوئے اپنے لشکر میں آ گئے۔ اُن کی اچانک آمد سے لشکر میں خُوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لندھور اور بہرام مست ہو کر ناچنے لگے اور اُنھوں نے امیر حمزہ کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا۔ امیر حمزہ نے ہر سپاہی کی خیریت دریافت کی اور آخر میں پہلوانوں کو حکم دِیا کہ لڑائی کے لیے تیّار رہیں۔

عُمرو کی عیّاریاں

نوشیر واں کے لشکر میں سُلطان سر برہنہ اور تپش دِیوانہ کی خُوب خاطر تواضع ہو رہی تھی۔ ژوپین نے نوشیر واں کو یہ یقین دِلایا تھا کہ اِن دونوں سے زیادہ طاقت ور اور جری پہلوان رُوئے زمین پر کوئی اور نہیں ہے اور جب امیر حمزہ ان سے پنجہ لڑائے گا تب اُسے معلُوم ہو گا کہ وُہ کتنے پانی میں ہے۔

ایک روز طبلِ جنگ بجوایا گیا۔ ہر کاروں نے امیر حمزہ کو خبر دی کہ دشمن نے لڑائی کا اعلان کر دِیا ہے۔ امیر حمزہ نے حُکم دِیا کہ ہماری طرف سے بھی نقّارے بجائے جائیں اور فوج میدان میں نِکل کر صفیں باندھ لے۔ پھر اُنھوں نے اپنے ہتھیار بدن پہ سجائے اور اشقر دیوزاد پر سوار ہو کر میدان میں آئے۔ اُن کے دائیں بائیں لندھور، بہرام، مُقبِل وفادار، بخت مغربی، استفتا

نوش اور صدَف نوش چٹانوں کی طرح کھڑے تھے۔

نوشیر واں کا لشکر بھی میدان میں دھُوم دھام سے اُترا اور نعرے لگانے لگا۔ اِتنے میں سُلطان سر برہنہ میدان میں آیا اور حمزہ کا نام لے کر آواز دی کہ بہادُر ہو تو میرے مقابلے میں آ۔ امیر حمزہ اشقر دیو زاد کو چمکار کر نِکلے۔ سُلطان سر برہنہ نے اُنہیں حقارت کی نظر سے دیکھا اور کہا۔

"میں نے حمزہ کو مقابلے کے لیے بُلایا ہے۔ اُسے بھیجو۔"

"میں حمزہ بن عبد المطّلب ہُوں۔"

"تُم۔" سُلطان سر برہنہ حیرت سے چلّا اُٹھا۔ "تُم تو مجُھے کِسی رُخ سے بھی پہلوان نظر نہیں آتے۔"

"زیادہ باتیں نہ بناؤ اور جو خوبی رکھتے ہو۔۔۔ وُہ دکھاؤ۔" امیر حمزہ نے کہا۔

یہ سُن کر سُلطان سر برہنہ جوش میں آیا اور کہنے لگا۔ "اے حمزہ، مجُھے تیری جوانی پر ترس آتا ہے کہ خواہ مخواہ میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ بہتر ہے پہلے

سرِ اندیپ کے راجہ لندھور یا خاقانِ چین بہرام کو مُجھ سے لڑنے کے لیے بھیج۔ وُہ دونوں واقعی بہادر پہلوان ہیں؟"

"معلُوم ہُوا کہ تُو بہُت بُزدل ہے۔ صرف زبان چلانی جانتا ہے۔ میں سمجھتا تھا کوئی نامی پہلوان ہو گا۔ تُجھ سے لڑنے کے لیے لندھور یا بہرام کو آنے کی ضرورت نہیں۔ کبھی آئینے میں شکل بھی دیکھی ہے؟" عُمرو عیّار نے اپنی صف سے نِکل کر کہا۔

سُلطان سر برہنہ نے عُمرو کی جانب دیکھ کر کہا۔ "یہ گُستاخ کون ہے؟ ابھی اِسے مزا چکھاتا ہُوں؟"

یہ کہہ کر عُمرو کی طرف جھپٹا مگر عُمرو وار بچا کر اُچھلا اور ایک لات اِس زور سے سُلطان کے سینے پر جمائی کہ وُہ گھوڑے سے اُلٹ کر زمین پر اوندھے مُنہ گِرا۔ عُمرو نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "کیوں؟ کیسی رہی؟ ایک گستاخی اور کروں؟"

اب تو سُلطان سر برہنہ کے غُصّے کی حد نہ رہی۔ غیظ و غضب کی تصویر بن کر

نیزہ اُٹھایا اور امیر حمزہ پر حملہ کیا۔ اُنھوں نے تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا نیزہ کاٹ ڈالا۔ سُلطان نے جھنجھلا کر میان سے تلوار کھینچی۔ تھوڑی دیر تک دونوں میں تلوار بازی ہوتی رہی۔ آخر حمزہ نے باڑھ بچا کر قبضے پر ہاتھ ڈال دِیا اور جھٹکا دے کر تلوار چھِین لی۔ سُلطان سر برہنہ حواس باختہ ہو کر اُلٹے پیروں بھاگنے لگا مگر حمزہ نے اُسے بھاگنے کا موقع ہی نہ دِیا۔ کمر میں بندھی ہُوئی پیٹی سے پکڑ کر اُٹھالیا، سر سے بلند کر کے تین چکّر دیے اور زمین پر دے مارا۔ اِسی وقت عُمرو عیّار دوڑتا ہُوا آیا۔ سُلطان کی چھاتی پر چڑھ کر اُس کی مُشکیں باندھ لیں اور ڈنڈا ڈولی کر کے اپنے لشکر میں لے گیا۔

تپش دِیوانہ یہ سب کارروائی دیکھ رہا تھا، وُہ نعرے مارتا ہُوا میدان میں آیا اور اِس تیزی سے تلوار چلانی شروع کی کہ امیر حمزہ بھی گھبرا گئے۔ تپش دیوانہ تلوار چلا چلا کر جب تھک گیا اور امیر حمزہ کے ایک زخم بھی نہ آیا تو اُس نے تلوار پھینک دی اور آگے بڑھ کر گتھم گُتھا ہو گیا۔ تب امیر حمزہ کو اندازہ ہُوا کہ دِیوانے کے جسم میں بڑی جان ہے اور وُہ کُشتی کے داؤ پیچ بھی اچھّی طرح

جانتا ہے۔ بُہت دیر تک دونوں میں کانٹے کی کُشتی ہُوئی۔ کبھی امیر حمزہ اُسے دھکیلتے ہُوئے دُور تک لے جاتے اور کبھی وُہ حمزہ کو پیلتا ہُوا چلا جاتا۔

یکایک امیر حمزہ نے ایک زور دار گھُونسا دِیوانے کی کمر پر مارا۔ وُہ تکلیف سے دوہرا ہو گیا۔ حمزہ نے لات مار کر اُسے نیچے گرا دِیا اور گھونسے مار مار کر کے بے دَم کر دِیا۔ عُمر عیّار دوڑا دوڑا آیا۔ تپش دِیوانے کو بھی باندھا اور گھسیٹ کر اپنے لشکر میں لے گیا۔

جب نوشیر واں کے یہ دونوں نامی گرامی پہلوان شکست کھا کر گرفتار ہُوئے تو ژوپین اور بیزن نے اپنے لشکر کو حکم دِیا کہ حملہ کر دو۔ اُس کی فوج آندھی طوفان کی طرح اُمڈی اور امیر حمزہ کی فوج پر آن پڑی۔ میدانِ کارزار گرم ہُوا۔ سر دھڑ کی بازی لگنے لگی اور خُون کی ندیاں بہہ نِکلیں۔ امیر حمزہ کے ساتھی بُہت دِن سے جنگ کی آرزو رکھتے تھے۔ اُنہوں نے خُوب جی کے حوصلے نکالے اور ایک ایک بہادُر نے کُشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ آخر نوشیر واں کے لشکر کے قدم اُکھڑ گئے اور اُس کے سپاہی ہتھیار پھینک پھینک

کر امان طلب کرنے لگے۔

یہ دیکھ کر نوشیر واں، بختک، ژوپین، بیژن اور بہمَن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اُنہوں نے بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی۔ خضران شاہ کہنے لگا۔

”جہاں پناہ، میری رائے یہ ہے کہ جنگ کا پانسا پلٹنے سے پہلے ہی آپ یہاں سے نِکل جائیں۔ ملک اصفہان کو سِیدھا راستہ جاتا ہے۔ وہاں کا حاکم مندیل اصفہانی ہے۔ وُہ آپ کو پناہ دے گا۔“

یہ سب لوگ گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور تیزی سے اصفہان کی جانب روانہ ہو گئے۔ اُدھر حب امیر حمزہ فاتح بن کر قلعہ کاشمیر میں داخل ہُوئے تو خضران شاہ دست بستہ حاضِر ہُوا، اور رورو کر کہنے لگا۔

”حضور، میری سلطنت نوشیر واں نے تباہ کر دی۔ میں نے اُس کو اتنا سمجھایا مگر اُس نے ایک نہ سُنی۔ آخر اِس انجام کو پہنچا۔ اب وُہ اصفہان گیا ہے۔ ژوپین، بیژن اور بہمَن بھی اُس کے ساتھ ہیں۔“

خضران شاہ کی یہ باتیں سُن کر امیر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ ”زیادہ مکر کرنے کی کوشش نہ کرو۔ خضران شاہ، ہم سب کُچھ جانتے ہیں۔ یہ سب کیا دھرا تمہارا ہی ہے اور تم ہی نے مرزوق جادُوگر کو بُلا کر ہمیں گرفتار کرایا تھا۔“

اب تو خضران شاہ کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ قضا سر پر کھیلنے لگی۔ روتا ہوا امیر حمزہ کے قدموں پر گرا اور کہنے لگا۔ ”حضُور، مُجھے معاف کر دیجیے۔ آیندہ سے آپ کا غُلام ہُوں۔“ امیر حمزہ نے اُسے معاف کیا اور چند روز کے لیے قلعہ کاشمیر میں ٹھہر گئے۔

اُدھر نوشیرواں اصفہان پہنچا۔ مندیل اصفہانی نے جب سُنا کہ شہنشاہ ہفت کشور آتا ہے تو وُہ فوراً اُس کے استقبال کو آیا اور نہایت عِزّت سے اپنے محل میں لے گیا۔ رات کو جب سب لوگ شاہی دستر خوان پر کھانا کھانے بیٹھے تو نوشیرواں نے ٹھنڈی آہ بھری اور گردن جھُکا لی۔ مندیل نے حیران ہو کر کہا۔ ”اے بادشاہ، خیر ہے۔ آپ نے یہ سرد آہ کیوں کھینچی؟“

نوشیرواں نے رُومال سے آنکھیں پونچھتے ہُوئے جواب دِیا۔ ”اے مندیل،

کوئی بہادُر ایسا پیدا نہ ہُوا کہ حمزہ کو زیر کرتا۔"

یہ سُن کر مندیل ہنسا اور کہنے لگا۔ "جہاں پناہ، آپ ہر گز غم نہ کریں۔ میں حمزہ کو زیر کروں گا۔" نوشیرواں یہ سُن کر خُوش ہُوا اور مندیل کی تعریف کرنے لگا۔ غرض اِسی طرح کئی دِن گُزر گئے۔

اِدھر امیر حمزہ نے عادی پہلوان کو بُلا کر حُکم دِیا کہ "اصفہان کی جانب کُوچ کیا جائے تا کہ ہم اپنے دُشمنوں سے جنگ کریں۔" عُمرو عیّار کہنے لگا:

"اے حمزہ، میں چاہتا ہُوں کہ آپ مُجھ کو پہلے رُخصت دیں تا کہ میں اصفہان پہنچ کر وہاں کے حالات کا جائزہ لُوں اور دیکھوں کہ وُہ لوگ کیا تیّاریاں کر رہے ہیں۔ اِس کے علاوہ میں نے سُنا ہے کہ اصفہان میں ایک بڑا نامی گرامی عیّار رہتا ہے۔ اُس کو گُل باد عراقی کہتے ہیں۔ چار ہزار اُس کے شاگرد ہیں۔ میری خواہش ہے کہ گُل باد عراقی سے مقابلہ کر کے اُسے شکست دُوں۔ اور اُن عیّاروں کو اپنے قبضے میں لاؤں۔"

عُمرو کی یہ باتیں سُن کر امیر حمزہ مُسکرانے لگے اور کہا کہ "اچھا، تُجھے وہاں جانے کی اِجازت ہے۔ لیکن خبردار کوئی ایسی حرکت نہ کیجیو جِس سے ہماری عِزّت میں حرف آئے اور لوگ کہیں کہ حمزہ کے دوست ایسے ہیں۔"

عُمرو عیّار خُوشی خُوشی اِصفہان کو روانہ ہُوا اور مہینوں کا سفر دِنوں میں طے کر کے منزل پر پہنچا۔ دیکھا کہ شہر میں بڑی دھُوم دھام ہے۔ وُہ بھیس بدل کر سیدھا مندیل اصفہانی کے دربار میں گیا۔ وہاں نوشیرواں تختِ سلطنت پر بیٹھا نظر آیا اور بختک اُس کے دائیں ہاتھ ایک عالی شان کُرسی پر بیٹھا مُونچھوں کو تاؤ دیتا تھا۔ عُمرو نے دِل میں کہ خُوب ٹھاٹ ہیں۔ اچھّا تُم سب کی خبر نہ لی تو کُچھ کام نہ کیا۔ ٹہلتے ٹہلتے دربار سے نکلا، بازار میں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ بُہت سے مزدور سروں پر بوریاں اُٹھائے جاتے ہیں۔ عُمرو نے ایک مزدور سے پُوچھا کہ اِن بوریوں میں کیا ہے؟ اُس نے جواب دِیا۔ "بختک وزیر کا بیٹا بختیارک سیر کرنے گیا ہے۔ کھانا پکنے والا ہے۔ اِن بوریوں میں نمک ہے۔"

عُمرو نے ہمدردی سے کہا، "اے بھائی، تُم تھک گئے ہوگے۔ لو یہ بوری میرے

سر پر رکھ دو۔ میں پہنچا دُوں گا۔"

مزدور یہ سُن کہ خُوش ہوا اور نمک کی بوری عُمرو کے سر پر رکھ دی۔ تب عُمرو آہستہ آہستہ اُن مزدوروں کے پیچھے چلا۔ راستے میں موقع دیکھ کر بوری کھولی اور نمک میں بے ہوشی کی دوا ملا دی۔ پھر سیر گاہ پر آیا۔ وہاں بختک کا بیٹا بختیارک دوستوں کے ساتھ ایک بارہ دری میں بیٹھا قہقہے لگا رہا تھا۔ ایک جانب دیگیں چُولہوں پر چڑھی تھیں اور طرح طرح کے لذیذ کھانے پک رہے تھے۔ عُمرو نے نمک کی وُہ بوری باورچیوں کو دی اور اُنہوں نے وُہ نمک دیگوں میں ملا دِیا۔ جب کھانا تیّار ہُوا اور دستر خوان بچھا تو بختیارک اور اُس کے یار دوست کھانے بیٹھے۔ پھر نوکر چاکروں نے بھی اپنے اپنے دستر خوان بچھائے۔ لیکن سب کے سب کھانا کھاتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ عُمرو نے جھٹ بختیارک کے کپڑے اُتار کر خُود پہن لیے، اپنی صورت بھی ویسی ہی بنا لی اور اصلی بختیارک کو لکڑی کے ایک صندُوق میں بند کر دِیا۔ اُس کے بعد سب کو ہوش میں لایا اور کہنے لگا:

”خدا معلوم اِس کھانے میں کِس نے بے ہوشی کی دوا مِلا دی ہے۔ جی اُچاٹ ہو گیا۔ چلو اب شہر میں چلتے ہیں۔“

سب آدمی قلعے میں آئے۔ نقلی بختیارک اپنے باپ بختک کے پاس گیا۔ اُس نے محبت سے پُوچھا۔ ”اے بیٹا، کہاں گئے تھے؟“

”ابّا جان، ذرا سیر کرنے گیا تھا لیکن کھانے میں کِسی کم بخت نے بے ہوشی کی دوا ملا دی۔ سب مزا کِرکِرا ہو گیا۔“

یہ سُن کر بختک کا دِل دھک دھک کرنے لگا۔ سمجھ گیا کہ یہ حرکت عُمرو عیّار کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔ مگر یہ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اُس کے سامنے عُمرو عیّار ہی بختیارک بن کر کھڑا ہُوا ہے۔ آخر اُس نے نوشیرواں کے کان میں کہا:

”حضور، غضب ہو گیا۔ عُمرو عیّار اصفہان میں آن پہنچا۔“

نوشیرواں کا چہرہ بھی خُوف سے اُتر گیا۔ قریب ہی اصفہان کا وزیرِ اعظم مہلیل

جنگ بھی بیٹھا تھا۔ اُس نے نوشیر واں کو پریشان دیکھا تو کہا:

"جہاں پناہ، کُچھ گھبرائے گھبرائے سے نظر آتے ہیں۔ خیریت تو ہے؟ کیا دشمنوں کا مزاج کُچھ ناساز ہے؟"

"اے مہلیل، کیا بتائیں۔ ابھی ابھی بختک نے بتایا ہے کہ عُمرو عیّار اصفہان میں آن پہنچا ہے۔ یہ شخص چھلّاوا ہے۔ کاش اُسے کوئی گرفتار کرتا۔"

مہلیل نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ "جہاں پناہ۔ عُمرو عیّار کی کیا حقیقت ہے۔ آپ نے ہمارے عیّار گُل باد عراقی کو شاید نہیں دیکھا۔ عُمرو عیّار جیسے نہ معلُوم کتنے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔"

"اُسے فوراً بُلاؤ۔" نوشیر واں نے کہا "عُمرو سے نپٹنے کے لیے ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے۔"

اسی وقت گُل باد عراقی کو طلب کیا گیا۔ وُہ دربار میں آیا۔ پہلے نوشیر واں کو سجدہ کیا۔ پھِر اُس کے قدموں کو بوسہ دِیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا رہا۔ مہلیل

نے بختک سے کہا:

"کیوں جناب، آپ نے ہمارے عیّار کو دیکھا؟"

"ہاں صاحب، دیکھا۔ یہ زبردست آدمی ہے۔ مگر عُمرو کے کاٹے کا بھی منتر نہیں ہے۔ مُوذی نے اٹھّارہ برس سے ہمارے شہنشاہ کو پریشان کر رکھا ہے؟"

یہ سُن کر گُل باد عراقی نے کہا۔ "جناب، والا، میں نے بڑے بڑوں کو نیچا دکھایا ہے۔ عُمرو کو مارنا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ذرا سامنے آئے تو اُسے پتا چلے کہ کتنے پانی میں ہے؟"

"بے شک۔" بختک نے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ عُمرو اِس وقت یہاں دربار میں موجود ہو۔"

یہ سُن کر سب نے بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا مگر عُمرو کہیں نظر نہ آیا۔ مہلیل جنگ کہنے لگا:

"اے بختک، ہم سے مذاق کرتا ہے، بھلا عُمرو کی کیا مجال کہ اِس دربار میں قدم بھی رکھ سکے؟"

"جناب، آپ ہیں کِس خیال میں۔" بختک نے کہا۔ "عُمرو بہتّر قسم کی صورتیں بدل سکتا ہے۔ اِس وقت کِسی اور بھیس میں ہو گا۔ اُسے پہچاننا خالہ جی کا گھر نہیں ہے؟"

اب تو دربار میں سنسنی پھیل گئی۔ مہلیل جنگ نے چاروں طرف دیکھا۔ پھر اُونچی آواز میں کہا:

"اگر اس دربار میں عُمرو عیّار موجود ہے تو اپنی اصلی صورت دِکھائے۔ ہمارا اُس سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ جو کُچھ لڑائی ہے، وہ امیر حمزہ اور نوشیرواں کے درمیان ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ عُمرو کو پریشان نہ کریں گے۔"

مہلیل جنگ نے ابھی یہ کلمہ مُنہ سے نِکالا ہی تھا کہ نقلی بختیارک اُٹھ کھڑا ہُوا۔ بختک نے کہا۔ "اے بیٹے، کہاں چلے؟"

بختیارک نے مُسکرا کر جواب دِیا۔ ”ذرا میں مہلیل کو اپنی صورت دِکھاؤں؟“

یہ سُن کر بختک کے ہوش اُڑ گئے۔ بے اختیار چلّا اُٹھا۔ ”اے عُمرو، تیری مٹّی پلید ہو۔ میرے بیٹے بختیارک کا کیا حشر کیا؟“

”زیادہ غُل نہ مچا۔ تیرا بیٹا سلامت ہے؟“ عُمرو نے کہا۔ پھر ہنستا ہُوا مہلیل جنگ کے قریب آیا اور بولا۔ ”لیجئے جناب، عُمرو عیّار آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور یہ اُس کی اصلی صورت ہے۔“

دربار میں شور مچا۔ ژوپین اور بیزن کہنے لگے، پکڑو اِس بے ایمان کو ہتھیار بند غُلام چاروں طرف سے عُمرو کی طرف بڑھے لیکن مہلیل جنگ نے اُنہیں ڈانٹ کر واپس بھیجا اور کہنے لگا:

”ہم نے عُمرو سے جو وعدہ کیا ہے اُسے پورا کریں گے۔ خبردار کوئی شخص دربار میں عُمرو کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔“

یہ کہہ کر وُہ عُمرو کی جانب چلا اور نزدیک جا کر بولا۔ ”اچھّا یہ تو بتاؤ کہ تُم اکیلے

اصفہان کیسے آئے؟"

"میں نے گُل باد عراقی کی تعریف سُنی ہے۔" عُمرو نے جواب دیا۔ "اُس کا امتحان لینے آیا ہُوں کہ وُہ عیّاری میں کیسا ہے؟"

یہ سُن کر گُل باد عراقی جوش میں آیا اور کہنے لگا۔ "اے عُمرو تیری کیا حیثیت ہے جو میرا امتحان لینے آیا ہے۔ میرے سامنے بڑے بڑے عیّار پانی بھرتے ہیں۔ میں سینکڑوں کو باندھ چُکا ہُوں۔ خیر اِسی میں ہے کہ واپس چلا جا، ورنہ مار کھائے گا۔"

عُمرو نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "معلُوم ہوتا ہے تُو صِرف باتیں بنانا جانتا ہے۔ اپنی عیّاری کا کوئی کمال دِکھا تب مانوں کہ تُو سچ کہتا ہے یا جھُوٹ۔"

"بہُت اچھّا، تیری یہ خواہش پوری کی جائے گی۔" گُل باد عراقی نے جواب دِیا۔ "اب چُپ چاپ یہاں سے نِکل اور شہر سے باہر چلا جا۔ اِس کے بعد اگر کِسی بھی صُورت سے شہر میں گھُس آئے تو میں زندگی بھر کے لیے تیرا غُلام

بن جاؤں گا۔"

عُمرو دربار سے نِکل کر شہر کے باہر گیا۔ گُل باد عراقی نے اُسی وقت شہر کے آٹھوں دروازے بند کرائے اور ان میں زبردست قُفل ڈال دیے۔ صرف ایک دروازہ کھُلا رہنے دِیا اور آپ اُس دروازے پر ہوشیاری سے بیٹھا۔ پھِر شہر کے ارد گرد کھدی ہُوئی خندق میں پانی بھروایا اور چار ہزار عیّار آٹھوں دروازوں کے بُرجوں پر پہرے کے لیے مُقرّر کیے۔ عُمرو عیّار پانچ روز تک پھرتا رہا۔ لیکن شہر میں داخل ہونے کی راہ نہ پائی۔ اِتّفاق سے ایک قافلہ وہاں آیا۔ اُس قافلے میں خواجہ داراب بھی شامل تھا۔ یہ ایک بڑا تاجر تھا جو لاکھوں روپے کا سامانِ تجارت لے کر مختلف مُلکوں اور شہروں میں جایا کرتا تھا۔ خواجہ داراب کے کاروبار میں گُل باد عراقی بھی شریک تھا۔ عُمرو عیّار صُورت بدل کر اِس قافلے میں آیا اور سیر کرنے لگا۔ اِتنے میں اُس نے اپنے ایک پرانے دوست سرہنگ مصری کو دیکھا۔ تب عُمرو نے سرہنگ مصری کو اپنی اصلی شکل دِکھائی اور کہا کہ گُل باد عراقی نے شہر کے تمام دروازے بند کرا دیے

ہیں۔ لیکن مُجھے شہر کے اندر جانا ہے تُم مدد کرو۔ سر ہنگ مصری تیّار ہُو گیا۔ عُمرو نے اُسے ایک سوداگر کا لباس پہنایا اور سکھا پڑھا کر خواجہ داراب کے خیمے پر آیا۔ داراب نے سر ہنگ مصری کی تعظم کی۔ پھر پُوچھا۔

"فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہُوں؟"

"جنابِ عالی، میں بھی آپ کی طرح ایک سوداگر ہُوں۔ میرا مال اسباب راستے میں ڈاکوؤں نے لُوٹ لیا۔ فقط ایک غُلام میرے پاس رہ گیا ہے۔ یہ بڑا صاحبِ کمال ہے۔ گاتا خُوب ہے اور ساز بھی عُمدہ بجاتا ہے۔ بہادر بھی ہے اور ایمان دار بھی۔ اگر آپ چاہیں تو اِس غُلام کو خرید سکتے ہیں۔"

خواجہ داراب غُلام کی یہ خُوبیاں سُن کر بے حد خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔ "وُہ غُلام کہاں ہے۔ فوراً بلاؤ۔ میں اُسے خریدوں گا۔"

تب سر ہنگ مصری نے عُمرو عیّار کو پیش کیا۔ وُہ سامنے آیا اور جھُک کر نہایت ادب سے داراب کو سلام کیا۔ پھر اپنا اِک تارا نِکال کر اِس خُوبی سے بجایا کہ

داراب جھُومنے لگا۔ غرض اُس نے مُنہ مانگی قیمت دے کر اُس غُلام کو سرہنگ مصری سے خرید لیا۔

اُدھر گُل باد عراقی کو معلُوم ہُوا کہ داراب سوداگر قافلے کے ساتھ آیا ہے۔ گلی باد نے اپنے عیّاروں سے کہا کہ داراب کو شہر میں آنے دو۔ اِس طرح عُمرو عیّار بھی داراب کے ساتھ آسانی سے شہر میں داخل ہو گیا اور کِسی نے اُس پر شک نہ کیا۔

داراب نے دیکھا کہ شہر میں افراتفری پھیلی ہُوئی ہے۔ جگہ جگہ پہرے دار ہتھیار لِیے کھڑے ہیں اور ہر آنے جانے والے کی چھان بین کر رہے ہیں۔ اُس نے گُل باد عراقی سے پُوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟ گُل باد نے عُمرو عیّار کی سب حقیقت بیان کی۔ پھر کہنے لگا۔

"تمھارے ساتھ اِس مرتبہ ایک غُلام نیا آیا ہے۔ یہ کون ہے اور اِسے کہاں سے لائے ہو؟"

داراب نے عُمرو کی طرف دیکھ کر جواب دِیا۔ ”اے گُل باد میں ایک دُور دراز کے علاقے میں گیا تھا۔ وہیں سے یہ غُلام ہاتھ لگا ہے۔ نہایت باکمال آدمی ہے۔ اِس میں بُہت سی خُوبیاں ہیں۔ اعلیٰ درجے کا گویّا ہے اور ساز تو ایسا بجاتا ہے کہ رُوئے زمین پر کوئی دوسرا ایسا نہ بجاتا ہو گا؟“

غرض اِس غُلام کی اِتنی تعریفیں کیں کہ گُل باد عراقی بے قرار ہو گیا اور کہنے لگا۔

”یہ غُلام میرے ہاتھ بیچ دو، ورنہ بادشاہ نے دیکھ لیا تو اسے ہتھیا لے گا۔“

داراب راضی ہو گیا اور بیس ہزار اشرفیوں کے عوض غُلام کو گُل باد کے حوالے کر دِیا۔ گُل باد نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ غُلام کو میرے گھر چھوڑ آؤ۔ عُمرو عیّار گُل باد کے گھر پہنچ گیا۔ گُل باد کی بیوی کا نام خُوبک تھا۔ نہایت بد مزاج اور پھوہڑ عورت تھی اور گھر کے سب نوکر چاکر اُس سے ڈرتے تھے۔ عُمرو نے جاتے ہی بڑی عاجزی سے خُوبک کو سلام کیا۔ پھِر اُس کی جُوتیاں صاف کر کے قاعدے سے رکھیں۔ یہ دیکھ کر خُوبک خُوش ہُوئی اور

کہنے لگی۔

"ہاں، یہ غُلام سمجھ دار اور ہوشیار نظر آتا ہے؟"

عُمرو نے پھِر سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا رہا۔ جب وُہ مُنہ ہاتھ دھونے کے ارادے سے اُٹھی تو عُمرو نے جلدی سے لوٹے میں پانی بھر کر اُس کے آگے رکھا اور رُومال لے کر مکھّیاں جھلنے لگا۔ اُس کے ساتھ ساتھ اُس نے گانا بھی شروع کر دِیا اور اُس خُوبی سے گایا کہ خُوبک عش عش کر اُٹھی۔ کہنے لگی۔ "اے غُلام تُو نے مُجھے خُوش کیا۔ میں بھی تُجھے تکلیف نہ دُوں گی اور گُل باد سے تیری تعریف کروں گی۔ مُجھے یقین ہے کہ تُجھے تمام غُلاموں کا سردار بنا دے گا۔"

شام کو گُل باد عراقی اپنے گھر میں آیا تو دیکھا کہ اُس کی بیوی بے حد خُوش ہے۔ اُس نے نئے غُلام کی بڑی تعریف کی۔ اُس کی خدمت گزاری کا ذکر کیا اور آخر میں کہا:

”یہ غُلام اِس قابل ہے کہ اِسے سب نوکروں کا سردار بنایا جائے۔“

گُلی باد عراقی بھی خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔ ”اگر تُم یہ چاہتی ہُو تو آج سے ہم نے اِسے تمام نوکروں کا سردار بنایا۔“

تب عُمرو نے جھُک جھُک کر دونوں میاں بیوی کو سلام کیا۔ جب آدھی رات ہُوئی اور سارا گھر سو گیا تو عُمرو اپنے بستر سے اُٹھا اور اُس کمرے میں آیا جس میں گُل باد سو رہا تھا۔ دوائے بے ہوشی سنگھا کر اُسے بے ہوش کیا۔ پھِر خُوبک کے کمرے میں گیا۔ اُسے بھی بے ہوش کیا۔ اُس کے بعد خُوبک کی شکل اور لباس تبدیل کر کے گُل باد عراقی بنایا اور گُل باد عراقی کی ڈاڑھی مُونچھیں مونڈ کر اُسے خُوبک بنا دِیا۔ پھِر گھر کا سارا قیمتی سامان سمیٹ کر اپنی زنبیل میں ڈالا، ایک رُقعہ لکھ کر گُل باد کے گلے میں ڈالا اور رفُوچکّر ہو گیا۔

صُبح سویرے گُل باد اور خُوبک ہوش میں آئے اور دونوں ایک دُوسرے کو دیکھ کر حیران ہُوئے۔ گُل باد نے دِل میں کہا کہ یہ میری شکل صُورت کا دوسرا شخص کہاں سے آیا، اور خُوبک کو غُصّہ آیا کہ میری جیسی یہ عورت گھر

میں کیسے آئی۔ یہ سوچتے ہی اُس نے ایک دوہتڑ گُل باد کے مارااور چیخ کر بولی۔

”جلد بتاتُو کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟“

تب گُل باد اپنی آواز میں کہنے لگا۔”اے نیک بخت، ہوش کی دوا کر مُجھے کیوں مارتی ہے۔ میں تو تیرا شوہر گُل باد ہُوں لیکن ذرا اپنی شکل تو آئینے میں دیکھ۔ بالکل میرا حُلیہ بنایا ہے۔“

آئینہ منگا کر دونوں نے اپنے حُلیے دیکھے تو سخت بدحواس ہُوئے اور نوکروں پہ برسنے لگے کہ یہ حرکت کِس نے کی ہے۔ سب نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور کہا ہمیں معلُوم نہیں۔ تب گُل باد نے حُکم دِیا کہ نئے غُلام کو حاضر کرو۔ شاید اُسے کُچھ معلُوم ہو۔ تھوڑی دیر بعد نوکر دُہائی دیتے ہُوئے آئے اور بتایا کہ غضب ہو گیا۔ گھر کا سب قیمتی سامان غائب ہے اور نئے غُلام کا بھی پتا نہیں۔ اب تو گُل باد عراقی کے غُصّے کی انتہا نہ رہی۔ طیش میں ان کے اپنا گریبان نوچ ڈالا۔ اچانک کاغذ کا وُہ پرزہ ہاتھ میں آیا جو عُمرو اُس کے گلے میں باندھ گیا تھا۔

گُل باد نے اُس کاغذ پر نظر ڈالی تو خُوف سے کانپ اُٹھا۔ اُس میں لکھا تھا۔

گُل باد عراقی کو معلُوم ہو کہ میں شہر میں آ گیا ہُوں اور سارا دِن اب تمہارے گھر میں رہنے کے بعد جا رہا ہُوں۔ تمہاری زندگی میرے رحم و کرم پر تھی۔ چاہتا تو ایک آن میں موت کے گھاٹ اُتار دیتا، مگر میں نے تمہیں حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا۔۔۔

عُمرو عیّار

ابھی بے چارہ گُل باد اپنے حواس درست کرنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک غُلام آیا اور اُس نے کہا کہ مہلیل جنگ، بختک اور شہزادہ ہُرمز اُس کے گھر آ رہے ہیں۔ گُل باد نے کپڑے سے اپنا چہرہ چھپایا اور اُن لوگوں کے استقبال کو مکان سے باہر نِکل۔ مہلیل جنگ اور ہُرمز نے جب گُل باد کا یہ حُلیہ دیکھا تو قہقہے مارنے لگے اور کہا۔

"اے عیّار، تیرا یہ حُلیہ کِس نے بنایا؟"

گُل باد نے شرم سے گردن جھکا لی۔ پھر کہا۔ ”یہ سب عُمرو عیّار کی شرارت ہے۔ بہرحال اب وُہ شہر میں آ گیا ہے۔ میں اُسے گھیر کر پکڑوں گا اور ایسی سزا دُوں گا کہ مرتے دم تک یاد رکھے گا۔“

چند روز بعد گُل باد نقلی ڈاڑھی اور مُونچھیں لگا کر شہر میں نِکلا اور عُمرو کی تلاش میں پھرنے لگا۔ کئی آدمیوں پر عُمرو ہونے کا شک گزرا مگر دیکھ بھال کے بعد اُنہیں چھوڑ دِیا۔ آخر تھک ہار کر ایک کوتوالی کے چبوترے پر آن کر بیٹھ گیا اور آنے جانے والوں کو کڑی نظروں سے دیکھنے لگا۔

ناگہاں ایک قلندر کو دیکھا کہ جھُومتا ہُوا چلا آتا ہے۔ گُل باد نے اُس سے پہلے اِس قلندر کو شہر کے اندر کبھی نہ دیکھا تھا۔ دِل میں کہنے لگا، یہ ضُرور عُمرو عیّار ہے۔ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پُکار کر کہا۔

”اے قلندر، کِدھر جاتا ہے؟ ذرا اِدھر تو آ۔ تُجھ سے ایک کام ہے۔“

قلندر نے گُل باد کو دیکھا اور قہقہہ لگا کر بولا۔ ”ہم تیرے نوکر نہیں ہیں۔ تُو

خُود ہمارے پاس آ۔"

گُل باد نے عُمرو کی آواز پہچان لی۔ خنجر نکال کر دوڑا۔ عُمرو بھی بے تحاشا بھاگا۔ گُل باد چیخنے لگا۔ "دوڑو۔۔۔ پکڑو۔۔۔ جانے نہ پائے۔۔۔" گُل باد کی چیخ پکار سُن کر بہُت سے لوگ چونکے اور قلندر کے پیچھے بھاگے۔ مگر وُہ کِسی کے ہاتھ نہ آیا اور ایک مکان کی چھت پر چڑھ کر مُنہ چڑانے لگا۔ اتنے میں گُل باد کے شاگرد بھی آن پہنچے اور اُنہوں نے عُمرو کو پکڑنے کی کوشش کی، مگر وُہ ایک کوٹھے سے دُوسرے پر اور دُوسرے سے تیسرے کوٹھے پر جا نِکلا۔ اِس طرح سارے شہر کی چھتیں پھلانگیں۔ اُس کا پیچھا کرنے والے مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ تب عُمرو نے ایک مکان میں جھانکا۔ نیچے صحن میں ایک عورت کھڑی تھی۔ اُس نے نظر اُوپر اٹھائیں تو حیرت سے چلّا اُٹھی۔

"اے عُمرو بھائی، تُم یہاں کیسے؟"

اصل میں یہ گھر عُمرو عیّار کی سگی بہن سمینہ کا تھا اور وُہ مُدّت سے اصفہان میں رہتی تھی۔ عُمرو اپنی بہن کو دیکھ کر بے حد خُوش ہوا۔ نیچے اُتر آیا اور سارا قِصّہ

کہہ سُنایا۔ سمینہ کہنے لگی:

"میں نے تمہارے آنے کی خبر سُن لی تھی اور اپنے شوہر کو تمہاری تلاش میں بھیجا تھا۔ خُدا کا شکر ہے کہ تُم ظالموں کے ہتھّے نہیں چڑھے اور صحیح سلامت یہاں آ گئے۔"

عُمرو کنے لگا۔ "گُل باد عراقی میری تلاش میں ہے۔ اُس کے چار ہزار شاگردوں نے مُجھے گھیر لیا تھا۔ بڑی مُشکلوں سے اُن بدبختوں کو غُچّا دے کر آیا ہُوں۔"

سمینہ بانو نے کنیزوں سے کہا کہ جلد گرم پانی لاؤ اور میرے بھائی کے ہاتھ پیر دھلاؤ، پنکھا جھلو اور اُن کے لیے کھانا تیّار کرو۔

عُمرو ابھی دستر خوان پر بیٹھا ہی تھا کہ دس بارہ سال کا ایک لڑکا سامنے آیا اور ماموں ماموں کہتا ہُوا عُمرو سے لپٹ گیا۔ سمینہ بانو نے کہا "بھیا، یہ تمہارا بھانجا ابوالفتح ہے۔"

عُمرو اُسے دیکھ کر بے حد خُوش ہُوا اور سینے سے لگا کر پیار کیا۔ اِس دوران میں لڑکے نے نہایت چالاکی سے ایک قیمتی انگوٹھی عُمرو کی اُنگلی سے نِکال لی۔ عُمرو کو پتا بھی نہ چلا۔ کھانے سے فارغ ہو کر جب ہاتھ دھونے لگا تو دیکھا کہ انگوٹھی غائب ہے۔ سخت حیران ہُوا کہ انگوٹھی کہاں گئی۔

سمینہ بانو نے پُوچھا "اے بھائی، اِس قدر فکر مند کیوں ہو؟"

عُمرو نے کہا۔ "جب میں یہاں آیا تھا، اُس وقت میرے دائیں ہاتھ کی اُنگلی میں ایک قیمتی انگوٹھی تھی۔ اب دیکھتا ہُوں تو غائب ہے؟"

یہ سُن کر ابو الفتح نے قہقہہ لگایا۔ پھر جیب سے انگوٹھی نِکال کر عُمرو کو دیتے ہُوئے بولا۔ "ماموں جان، دیکھیے یہ انگوٹھی آپ کی تو نہیں ہے؟ میں تو سُنتا تھا کہ آپ بڑے عیّار، چالاک اور ہوشیار ہیں، لیکن میں نے انگوٹھی اُنگلی سے اُتاری تو آپ کو بالکُل خبر نہ ہُوئی۔"

اب تو عُمرو سخت شرمندہ ہُوا۔ کہنے لگا۔ "معلُوم ہوتا ہے تُم میرے بھی اُستاد

ہو۔ خُوب کام دکھایا۔ خُدا نے چاہا تو میں تمھیں عیّاری کے فن میں کامل کر دُوں گا۔"

یہ سُن کر سمینہ اور ابوالفتح بہت خُوش ہُوئے۔

عُمرو عیّار اور گُل باد عراقی کے حیرت انگیز کارنامے، شہزادہ قباد اور عَلَم شاہ کی جنگ، عادی پہلوان کے عجیب کرتب، اِس سلسلے کی ساتویں کتاب "شہزادہ قباد شہریار" میں پڑھیے۔